رجسٹرڈ ایل ۳۰۳

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ✤ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۲ بابت مئی ۱۹۰۳ء نمبر ۵

فہرست مضامین

انجمن اشاعت اسلام قادیان دار الامان نے

انوار احمدیہ پریس قادیان میں باہتمام شیخ یعقوب علی احمدی تراب چھپواکر ۲۰ مئی ۱۹۰۳ء کو شایع کیا

چندہ سالانہ معمولی کاغذ پر ۱عہ اعلیٰ درجہ کے کاغذ پر سے ر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ضرورت قرآن

عیسائی اور دیگر مخالفین مذہب اسلام کی طرف سے اکثر اوقات یہ سوال ہوتا ہے کہ جس صورت مین توحید کا مسئلہ توریت کے ذریعہ دنیا پر روشن ہو چکا تھا تو پھر قرآن شریف کی کیا ضرورت تھی یا مثلاً یہودیوں کیلئے جنکی کتاب توحید سکھلاتی ہے کیا ضرورت تھی کہ وہ قرآن شریف کی پیروی کرین جبکہ اسلام کا مقصد بھی سوائے توحید کیطرف آدمیوں کو بلانے کے اور کچھ نہین تھا اس سوال کے جواب مین یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیوقت مین یہودی توریت کی ہدایتوں سے بہت دور جا پڑے تھے۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ اُنکی کتابون مین توحید باری تعالیٰ تھی مگر وہ اس توحید سے متنفع نہین ہوتے تھے۔ اور وہ علت غائی جس کیلئے انسان پیدا کیا گیا اور کتابین نازل ہوئین اس کو کھو بیٹھے تھے حقیقی توحید یہ ہے کہ خدا کی ہستی کو مانکر اور اُس کی وحدانیت کو قبول کر کے پھر اس کامل اور محسن خدا کی اطاعت اور رضا جوئی مین مشغول ہونا اور اُسکی محبت مین کھوئے جانا۔ سو عملی طور پر یہ توحید ان مین باقی نہین رہی تھی۔ اور خدا تعالےٰ کی عظمت اور جلال اُنکے دلوں سے اُٹھ گئی تھی وہ لبوں سے خدا خدا پکارتے تھے مگر دل اُنکے شیطان کے پرستار ہو گئے تھے اور اُنکے سینے دنیا پرستی اور دنیا طلبی اور مکر اور فریب مین حد سے زیادہ بڑھ گئے تھے۔ اُن مین درویشون اور راہبوں کی پوجا ہوتی تھی۔ اور سخت قابل شرم اور بے حیائی کے کام ان مین ہوتے تھے۔ ریاکاریان بڑھ گئی تھین۔ مکاریان زیادہ ہو گئی تھین۔ اور ظاہر ہے کہ توحید صرف اس بات کا نام نہین کہ مونہہ

سے لا الٰہ الا اللہ کہیں اور دل میں ہزاروں بت جمع ہوں بلکہ جو شخص کسی اپنے کام اور مکر فریب اور تدبیر کو خدا کی سی عظمت دیتا ہے یا کسی انسان پر ایسا بھروسہ رکھتا ہے جو خدا تعالےٰ پر رکھنا چاہیے یا اپنے نفس کو وہ عظمت دیتا ہے جو خدا کو دینی چاہیئے ان سب صورتوں میں وہ خدا تعالےٰ کے نزدیک بت پرست ہے۔ بُت وہی نہیں ہیں جو سونے چاندی یا پیتل یا پتھر وغیرہ سے بنائے جاتے اور اُن پر بھروسہ کیا جاتا ہے بلکہ ہر ایک چیز یا قول یا فعل جس کو وہ عظمت دی جائے جو خدا تعالےٰ کا حق ہے وہ خدا تعالےٰ کی نگہ میں بت ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ توریت میں اس باریک بت پرستی کی تصریح نہیں ہے مگر قرآن شریف ان تصریحات سے بھرا پڑا ہے۔ سو قرآن شریف کو نازل کرکے خدا تعالےٰ کا ایک یہ بھی منشاء تھا کہ یہ بت پرستی بھی جو دق کی بیماری کی طرح لگی ہوئی تھی لوگوں کے دلوں سے دور کرے۔ اور اس زمانہ میں یہودی اِس قسم کی بت پرستی میں غرق تھے اور توریت ان کو چھوڑا نہیں سکتی تھی اس لئے کہ توریت میں یہ باریک تعلیم نہیں تھی۔ اور نیز اس لئے کہ یہ بیماری جو تمام یہودیوں میں پھیل گئی تھی ایک پاک توحید کے نمونہ کو چاہتی تھی جو زندہ طور پر ایک کامل انسان میں نمودار ہو۔

یاد رہے کہ حقیقی توحید جسکا اقرار خدا ہم سے چاہتا ہے اور جسکے اقرار سے نجات وابستہ ہے یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کو اپنی ذات میں ہر ایک شریک سے خواہ بت ہو خواہ انسان ہو خواہ سورج ہو یا چاند ہو یا اپنا نفس یا اپنی تدبیر اور مکر اور فریب ہو منزہ سمجھنا اور اس کے مقابل پر کوئی قادر تجویز نہ کرنا کوئی رازق نہ ماننا کوئی مُعِز اور مُذِل خیال نہ کرنا کوئی ناصر اور مددگار قرار نہ دینا اور دوسرے یہ کہ اپنی محبت اسی سے خاص کرنا۔ اپنی عبادت اُسی سے خاص کرنا۔ اپنا تذلل اسی سے خاص کرنا اپنی امیدیں اسی سے خاص کرنا۔ اپنا خوف اسی سے خاص کرنا۔ پس کوئی توحید بغیر ان تین قسم کی تخصیص کے کامل نہیں ہو سکتی۔ اوّل ذات کے لحاظ سے توحید یعنی یہ کہ اس کے وجود کے مقابل پر تمام موجودات کو معدوم کی طرح سمجھنا۔ اور تمام کو ہالکۃ الذات اور باطلۃ الحقیقت خیال کرنا۔ دوم صفات کے لحاظ سے توحید یعنے یہ کہ ربوبیت اور الوہیت کی صفات بجز ذات باری کسی میں قرار نہ دینا۔ اور جو بظاہر رب الانواع یا فیض رساں نظر آتے ہیں یہ اسی کے ہاتھ کا ایک نظام یقین کرنا۔ تیسرے اپنی

محبت اور صدق اور صفا کے لحاظ سے توحید۔ یعنے محبت وغیرہ شعار عبودیت میں دوسرے کو خدا تعالیٰ کا شریک نہ گرداننا۔ اور اسی میں کھوئے جانا۔ سو اس توحید کو جو تینوں شعبوں پر مشتمل اور اصل مدار نجات ہے یہودی لوگ کھو بیٹھے تھے۔ چنانچہ انکی بدچلنیاں اس بات پر صاف گواہی دیتی تھیں کہ اُن کے لبوں پر خدا کے ماننے کا دعوے ہے مگر دل میں نہیں۔ جیسا کہ قرآن خود یہود و نصارےٰ کو ملزم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر یہ لوگ توریت اور انجیل کو قایم کرتے تو آسمانی رزق بھی انہیں ملتا اور زمینی بھی۔ یعنے آسمانی خوارق عادت اور قبولیت دعا اور کشوف اور الہامات جو مومن کی نشانیاں ہیں اُن میں پائی جاتیں جو آسمانی رزق ہے۔ اور زمینی رزق بھی ملتا مگر اب وہ آسمانی رزق سے بکلی بے نصیب ہیں اور زمین کا رزق بھی رو بحق ہو کر نہیں بلکہ رو بہ دنیا ہو کر حاصل کرتے ہیں۔ سو دونوں رزقوں سے محروم ہیں۔

رہا یہ سوال کہ یہودیوں کو مسلمان ہونے کی کیا ضرورت تھی وہ تو پہلے سے موحّد تھے؟ اس کا جواب ہم ابھی دے چکے ہیں کہ توحید یہودیوں کے دلوں میں قایم نہ تھی صرف کتابوں میں تھی اور وہ بھی ناقص۔ سو توحید کی زندہ روح حاصل کرنے کی ضرورت تھی۔ کیونکہ جب تک توحید کی روح انسان کے دل میں قائم نہ ہو تب تک نجات نہیں ہو سکتی۔ یہودی تو مُردوں کی طرح تھے اور بباعث سخت دلی اور طرح طرح کی نافرمانیوں کے وہ زندہ روح اُن میں سے نکل چکی تھی اُنکو خدا کے ساتھ کچھ بھی میلان باقی نہیں رہا تھا اور توریت بباعث نقصان تعلیم اور نیز بوجہ لفظی اور معنوی تحریفوں کے اس لایق نہیں رہی تھی جو کامل طور پر رہبر ہو سکے اس لئے خدا نے زندہ کلام تازہ بارش کی طرح اُتارا اور اس زندہ کلام کی طرف اُنکو بلایا تا وہ طرح طرح کے دہوکوں اور غلطیوں سے نجات پا کر حقیقی نجات کو حاصل کریں۔ سو قرآن کے نزول کی ضرورتوں میں سے ایک یہ تھی کہ تا مردہ طبع یہودیوں کو زندہ توحید سکھائے اور دوسرے یہ کہ تا اُنکی غلطیوں پر اُنکو متنبہ کرے۔ اور تیسرے یہ کہ تا وہ مسائل کہ جو توریت میں محض اشارہ کی طرح بیان ہوئے تھے جیسا کہ مسئلہ حشر اجساد اور مسئلہ بقاء روح اور مسئلہ بہشت اور دوزخ تا اُن کے مفصل حالات سے آگاہی بخشے۔

یہ بات سچ ہے کہ سچائی کی تخم ریزی توریت سے ہوئی اور انجیل سے اس تخم نے ایک آیندہ کی بشارت دینے والے کی طرح مُنہ دکھلایا۔ اور جیسے ایک کھیت کا سبزہ پوری صحت اور عمدگی سے نکلتا ہے اور بزبان حال خوشخبری

دیتا ہے کہ اس کے بعد اچھے پھل اور اچھے خوشے ظہور کرینوالے ہیں ایسا ہی انجیل کامل شریعت اور کامل ہبر کیلئے خوشخبری کیطور پر آئی اور قرآن ہی وہ تخم اپنے کمال کو پہونچا جو اپنے ساتھ اس کامل نعمت کو لایا جسنے حق اور باطل میں کلی فرق کرکے دکھلایا اور معارف دینیہ کو اپنے کمال تک پہونچایا جیسا کہ توریت میں پہلے سے لکھا تھا کہ "خدا سینا سے آیا اور سعیر سے طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے اُنپر چمکا" !!!

یہ بات بالکل ثابت شدہ امر ہے کہ شریعت کے ہر ایک پہلو کو کمال کیصورت میں صرف قرآن نے ہی دکھلایا ہے۔ شریعت کے بڑے حصے دو ہیں۔ حق اللہ۔ اور حق العباد۔ یہہ دونوں حصے صرف قرآن شریف نے ہی پورے کئے ہیں۔ قرآن کا یہ منصب تھا کہ وحشیوں کو انسان بناوے اور انسان سے با اخلاق انسان بناوے اور با اخلاق انسان سے باخدا انسان بنائے۔ سو اس منصب کو اُس نے ایسے طور سے پورا کیا کہ جس کے مقابل پر توریت ایک گونگے کیطرح ہے۔

اور منجملہ قرآن کیضرورتوں کے ایک یہ امر بھی تھا کہ جو اختلاف حضرت مسیح کی نسبت یہود اور نصاریٰ میں واقع تھا اُسکو دور کرے۔ سو قرآن شریف نے اِن سب جھگڑوں کا فیصلہ کیا۔ جیسا کہ قرآن شریف کی یہ آیت یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ الخ۔ اسی جھگڑے کے فیصلے کے لئے ہے۔ کیونکہ یہودی لوگ یہ خیال کرتے تھے کہ نصاریٰ کا نبی یعنے مسیح صلیب پر کھینچا گیا۔ اس لئے موافق حکم توریت کے وہ لعنتی ہوا اور اس کا رفع نہیں ہوا۔ اور یہ دلیل اس کے کاذب ہونے کی ہے " اور عیسائیوں کا یہ خیال تھا کہ لعنتی تو ہُوا مگر ہمارے لئے اور بعد اُس کے لعنت جاتی رہی اور رفع ہوگیا۔ اور خدا نے اپنے دہنے ہاتھ اس کو بٹھا لیا۔ اب اس آیت نے یہ فیصلہ کیا کہ رفع بلا توقف ہوا نہ یہودیوں کے زعم پر دائمی لعنت ہوئی جو ہمیشہ کے لئے رفع الی اللہ سے مانع ہے اور نہ نصاریٰ کے زعم پر چند روز لعنت رہی اور پھر رفع الی اللہ ہوا بلکہ وفات کے ساتھ ہی رفع الی اللہ ہوگیا۔ اور اِنہی آیات میں خدا تعالیٰ نے یہ بھی سمجھا دیا کہ یہ رفع توریت کے احکام کے مخالف نہیں۔ کیونکہ توریت کا حکم عدم رفع اور لعنت اُس حالت میں ہے کہ جب کوئی صلیب پر مارا جائے۔ مگر صرف صلیب کے چڑھنے یا صلیب پر کچھ ایسی تکلیف اٹھانے سے جو موت کی حد تک نہیں پہونچتی لعنت لازم نہیں آتی اور نہ عدم رفع لازم آتا ہے۔ کیونکہ توریت کا منشاء یہی کہ صلیب خدا تعالیٰ کیطرف سے

جرائم پیشہ کی موت کا ذریعہ ہے۔ پس جو شخص صلیب پر مر گیا وہ مجرمانہ موت مرا جو لعنتی موت ہے لیکن مسیح صلیب پر نہیں مرا اور اس کو خدا نے صلیب کی موت سے بچا لیا بلکہ جیسا کہ اس نے کہا تھا کہ میری حالت یونس سے مشابہ ہے ایسا ہی ہوا نہ یونس مچھلی کے پیٹ میں مرا نہ یسوع صلیب کے پیٹھ پر۔ اور اس کی دعا "ایلی ایلی لما سبقتانی" سنی گئی۔ اگر مرتا تو پیلاطوس پر بھی ضرور وبال آتا۔ کیونکہ فرشتہ نے پیلاطوس کی جورو کو یہ خبر دی تھی کہ اگر یسوع مر گیا تو یاد رکھ کہ تم پر وبال آئے گا مگر پیلاطوس پر وبال نہ آیا۔ اور یہ بھی یسوع کے زندہ رہنے کی ایک نشانی ہے کہ اس کی ہڈیاں صلیب کے وقت نہیں توڑی گئیں۔ اور صلیب پر سے اتارنے کے بعد چھیدنے سے خون بھی نکلا۔ اور اس نے حواریوں کو صلیب کے بعد اپنے زخم دکھلائے۔ اور ظاہر ہے کہ نئی زندگی کے ساتھ زخموں کا ہونا ممکن نہ تھا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ یسوع صلیب پر نہیں مرا اس لئے لعنتی بھی نہیں ہوا۔ اور بلاشبہ اس نے پاک وفات پائی اور خدا کے تمام پاک رسولوں کی طرح موت کے بعد وہ بھی خدا کی طرف اٹھایا گیا۔ اور بموجب وعدہ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ اس کا خدا کی طرف رفع ہوا۔ اگر وہ صلیب پر مرتا تو اپنے قول سے خود جھوٹا ٹھہرتا کیونکہ اس صورت میں یونس کے ساتھ اس کی کچھ بھی مشابہت نہ ہوتی۔

سو یہی جھگڑا مسیح کے بارے میں یہود اور نصاریٰ میں چلا آتا تھا جس کو آخر قرآن شریف نے فیصلہ کیا۔ پھر ابھی تک نصاریٰ کہتے ہیں کہ قرآن کے اترنے کی کیا ضرورت تھی۔ اے نادانو! اور دلوں کے اندھو! قرآن کامل توحید لایا۔ قرآن نے عقل اور نقل کو ملا کر دکھلایا۔ قرآن نے توحید کو کمال تک پہنچایا۔ قرآن نے توحید اور صفات باری پر دلائل قائم کئے۔ اور خدا تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت عقلی نقلی دلائل سے دیا۔ اور کشفی طور پر بھی دلائل قائم کئے۔ اور وہ مذہب جو پہلی قصہ کہانی کے رنگ میں چلا آتا تھا اس کو علمی رنگ میں دکھلایا۔ اور ہر ایک عقیدہ کو حکمت کا جامہ پہنایا۔ اور وہ سلسلہ معارف دینیہ کا جو غیر مکمل تھا اسکو کمال تک پہنچایا۔ اور یسوع کی گردن پر سے لعنت کا طوق اتارا۔ اور اسکے مرفوع اور سچا نبی ہونیکی شہادت دی۔ تو کیا اسقدر فیض رسانی کے ساتھ بھی قرآن کی ضرورت ثابت نہ ہوئی؟

یہ یاد رہے کہ قرآن نے بڑی صفائی سے اپنی ضرورت ثابت کی ہے۔ قرآن صاف کہتا ہے اِعْلَمُوْا اَنَّ

اللّٰہ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا - یعنے اس بات کو جان لو کہ زمین مر گئی تھی اور اب خدا نئے سرے اُسکو زندہ کرنے لگا ہے - تاریخ شہادت دیتی ہے کہ قرآن کے زمانہ قرب نزول مین ہر ایک قوم نے اپنا چال چلن بگاڑا ہوا تھا - پادری فنڈل مصنف میزان الحق باوجود اسقدر تعصب کے جو اسکے رگ و ریشہ مین بہرا ہوا تھا میزان الحق مین صاف گواہی دیتا ہے کہ قرآن کے نزول کے زمانہ مین یہود و نصارے کا چال چلن بگڑا ہوا تھا اور انکی حالتین خراب ہو رہی تھین اور قرآن کا آنا اُنکے لئے ایک تنبیہ تھی" مگر اس نادان نے باوجودیکہ یہ تو اقرار کیا کہ قرآن اُسوقت آیا جبکہ یہود و نصارے کا چال چلن بہت خراب ہو رہا تھا لیکن پھر بھی یہ جھوٹا عذر پیش کر دیا کہ خدا تعالے کو ایک جھوٹا نبی بھیجکر یہود و نصارے کو متنبہ کرنا منظور تھا مگر یہ اللہ تعالیٰ پر تہمت ہی کیا ہم اللہ جلشانہ کیطرف یہ خراب عادت منسوب کر سکتے ہین کہ اُس نے لوگون کو گمراہی اور بد چلنی مین پا کر یہ تدبیر سوچی کہ اور بھی گمراہی کے سامان اُنکے لئے میسّر کرے اور کروڑہا بندگان خدا کو اپنے ہاتھ سے تباہی مین ڈالے - کیا علیہ شدائد اور مصائب کیوقت خدا تعالیٰ کے قانون قدرت مین بھی عادت اُسکی ثابت ہوتی ہے ؟ افسوس کہ یہ لوگ دنیا سے محبت کر کے کیسے آفتاب پر تھوک رہے ہین ایک ناچیز انسان کو خدا بھی کہتے ہین اور پھر ملعون بھی - اور اس عظیم الشان نبی کے وجود سے انکار کر رہے ہین کہ جو ایسے وقت مین آیا جبکہ نوع انسان مردہ کیطرح ہو رہے تھے اور کہتے ہین کہ قرآن کی ضرورت کیا تھی - اے غافلو ! اور دلوں کے اندھو ! قرآن جیسے ضلالت کے اور طوفان کے وقت مین آیا ہے کوئی نبی ایسے وقت مین نہین آیا - اُس نے دنیا کو اندھا پایا اور روشنی بخشی - اور گمراہ پایا اور ہدایت دی - اور مُردہ پایا اور جان عطا فرمائی - تو کیا ابھی ضرورت ثابت ہونے مین کچھ کسر رہ گئی ؟ اور اگر یہ کہو کہ توحید تو پہلے بھی موجود تھی - قرآن نے نئی چیز کونسی دی ؟ تو اس سے اور بھی تمہاری عقل پر رونا آتا ہے مین ابھی لکھ چکا ہون کہ توحید پہلی کتابون مین ناقص طور پر تھی اور تم ہرگز ثابت نہین کر سکتے کہ کامل تھی - ماسوا اس کے توحید دلون سے بکلی گم ہو گئی تھی قرآن نے اس توحید کو پھر یاد دلایا اور اس کو کمال تک پہونچایا - قرآن کا نام اسی لئے ذکر ہے کہ وہ یاد دلانیوالا ہے - ذرہ آنکھ کھول کر سوچو کہ کیا توریت نے جو کچھ توحید کے بارے مین بیان کیا تھا وہ ایک ایسی نئی بات تھی جو پہلے نبیوں کو اُس کی خبر نہین تھی - کیا یہ سچ نہین کہ سب سے پہلے آدم کو اور پھر شیث اور نوح اور ابراہیم اور دوسرے رسولوں کو جو موسےٰ سے پہلے

آئے توحید کی تعلیم ملی تھی؟ پس یہ توریت پر بھی اعتراض ہے کہ اُس نے نئی چیز کونسی پیش کی۔ اے کج دل قوم! خدا روز روز دنیا میں نہیں ہو سکتا۔ موسیٰ کے وقت میں وہی خدا تھا جو آدم اور شیث اور نوح اور ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب اور یوسف کے وقت میں تھا۔ اور توریت نے وہی توحید کے بارے میں بیان کیا جو پہلے نبی کہتے آئے۔

اب اگر یہ سوال ہو کہ کیوں توریت نے اسی پورانی توحید کا ذکر کیا تو اس کا جواب یہی ہے کہ خدا کی ہستی اور وحدانیت کا مسئلہ توریت سے شروع نہیں ہوا بلکہ قدیم سے چلا آتا ہے۔ ہاں بعض زمانوں میں ترک عمل کی وجہ سے اکثر لوگوں کی نظر میں حقیر اور ذلیل ضرور ہوتا رہا ہے۔ پس خدا کی کتابوں اور خدا کے نبیوں کا یہ کام تھا کہ وہ ایسے وقتوں میں آتے رہے ہیں کہ جب اس مسئلہ توحید پر لوگوں کی توجہ کم رہ گئی ہو۔ اور طرح طرح کے شرکوں میں وہ مبتلا ہو گئے ہوں یہی مسئلہ دنیا میں ہزاروں دفعہ صیقل ہوا۔ اور ہزاروں دفعہ پھر زنگ خوردہ کی طرح ہو کر لوگوں کی نظروں سے چھپ گیا۔ اور جب چھپ گیا تو پھر خدا نے اپنے کسی بندہ کو بھیجا تا نئے سرے اسکو روشن کر کے دکھلاوے اسیطرح دنیا میں کبھی ظلمت کبھی نور غالب آتا رہا۔ اور ہر ایک نبی کی شناخت کا یہ نہایت اعلیٰ درجہ کا معیار ہے کہ دیکھنا چاہئیے کہ وہ کس وقت آیا اور کسقدر اصلاح اُس کے ہاتھ سے ظہور میں آئی۔ چاہئیے کہ حق طلبی کی راہ سے اسی بات کو سوچیں اور شریروں اور متعصب لوگوں کے پُر خیانت اقوال کیطرف توجہ نہ کریں اور ایک صاف نظر لیکر کسی نبی کے حالات کو دیکھیں کہ اُس نے ظہور فرما کر اس زمانہ کے لوگوں کو کس حالت میں پایا اور پھر اُس نے اُن لوگوں کے عقائد اور چال چلن میں کیا تبدیلی کر کے دکھلائی تو اس سے ضرور پتہ لگ جائیگا کہ کون نبی اشد ضرورت کیوقت آیا اور کون اس سے کمتر۔ نبی کی ضرورت گنہگاروں کیلئے بعینہ ایسی ہی ہوتی ہے جیسا کہ طبیب کی ضرورت بیماروں کیلئے۔ اور جیسا کہ بیماروں کی کثرت ایک طبیب کو چاہتی ہے ایسا ہی گنہگاروں کی کثرت ایک مصلح کو۔

اب اگر کوئی اس قاعدہ کو ذہن میں رکھکر عرب کی تاریخ پر نظر ڈالے کہ عرب کے باشندے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے کیا تھے اور پھر کیا ہو گئے تو بلاشبہ وہ اس نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت قدسی اور تاثیر قوی اور افاضہ برکات میں سب نبیوں سے اوّل درجہ سمجھے گا۔ اور اسی بنا پر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی ضرورت کو دوسری تمام کتابوں

اور نبیوں کی ضرورت سے بدیہی الثبوت یقین کرے گا۔ مثلاً یسوع نے دنیا میں آکر دنیا کی کس ضرورت کو پورا کیا؟ اور اُسکا ثبوت کیا ہے کہ اُس سے کوئی ضرورت پوری کی؟ کیا یہودیوں کے اخلاق اور عادات اور ایمان میں کوئی بھاری تبدیلی کر دی یا اپنے حواریوں کو تزکیہ نفس میں کمال تک پہونچا دیا؟ بلکہ ان پاک اصلاحوں میں سے کچھ بھی ثابت نہیں۔ اور اگر کچھ ثابت ہے تو صرف یہی کہ چند آدمی طمع اور لالچ سے بھرے ہوئے اس کے ساتھ ہو گئے۔ اور انجام کار انہوں نے بڑی قابل شرم بے وفائیاں دکھلائیں۔ اور اگر یسوع نے خودکشی کی تو ہم اس سے زیادہ ہرگز تسلیم نہیں کرونگا کہ ایک ایسی بیوقوفی کی حرکت اُس سے صادر ہوئی جس سے اُسکی انسانیت اور عقل پر ہمیشہ کیلئے داغ لگ گیا ایسی حرکت جسکو انسانی قوانین بھی ہمیشہ جرائم کے نیچے داخل کرتے ہیں کیا کسی عقلمند سے صادر ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس ہم پوچھتے ہیں کہ یسوع نے کیا سکھلایا اور کیا دیا؟ کیا وہ لعنتی قربانی جسکا عقل اور انصاف کے نزدیک کوئی بھی نتیجہ معلوم نہیں ہوتا۔

یاد رہے کہ انجیل کی تعلیم میں کوئی نئی خوبی نہیں بلکہ یہ سب تعلیم توریت میں پائی جاتی ہے اور اُسکا ایک بڑا حصہ یہودیوں کی کتاب طالمود میں ابتک موجود ہے۔ اور یہودی فاضل ابتک کہتے ہیں کہ ہماری پاک کتابوں سے یہ فقرے چرائے گئے ہیں۔ چنانچہ حال میں جو ایک فاضل یہودی کی کتاب میرے پاس آئی ہے اُس نے اسی بات کا ثبوت دینے کیلئے کئی ورق لکھے ہیں اور بڑے زور سے اسناد پیش کئے ہیں کہ یہ فقرات کہاں کہاں سے چرائے گئے ہیں مبلغ یہ کتاب میں صرف میاں سراج الدین کے لئے منگوائی تھیں مگر اُن کی بدقسمتی ہے کہ وہ دیکھنے سے پہلے چلے گئے محقق عیسائی اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ درحقیقت انجیل یہودیوں کی کتابوں کے ان مضامین کا ایک خلاصہ ہے جو حضرت مسیح کو پسند آئے لیکن بالآخر یہ کہتے ہیں کہ مسیح کے دنیا میں آنے سے یہ غرض نہیں تھی کہ کوئی تعلیم لائے بلکہ اصل مطلب تو اپنے وجود کی قربانی دینا تھا یعنی وہی لعنتی قربانی جسکے بار بار ذکر سے میں اس رسالہ کو پاک رکھنا چاہتا ہوں غرض عیسائیوں کو یہ دھوکہ لگا ہوا ہے کہ شریعت توریت تک مکمل ہو چکی اس لئے یسوع کوئی شریعت لیکر نہیں آیا بلکہ نجات دینے کا سامان لیکر آیا اور قرآن نے ناحق پھر ایسی شریعت کی بنیاد ڈالی جو پہلے مکمل ہو چکی تھی یہی دھوکہ عیسائیوں کی ایمان کو کھا گیا مگر یاد رہے کہ یہ بات بالکل صحیح نہیں ہے بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ چونکہ انسان سہو و نسیان سے مرکب ہے اور نوع انسان میں خدا کے

احکام عملی طور پر ہمیشہ قایم نہین رہ سکتے۔ اس لئے ہمیشہ نئے یاد دلانے والے اور قوت دینے والے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن قرآن شریف صرف انہی دو ضرورتوں کی وجہ سے نازل نہین ہوا بلکہ وہ پہلی تعلیموں کا درحقیقت متمم اور مکمل ہے۔ مثلاً توریت کا زور حالات موجودہ کے لحاظ سے زیادہ تر قصاص پر ہے اور انجیل کا زور حالات موجودہ کے لحاظ سے عفو اور صبر پر مگر قرآن ان دونوں صورتوں مین محل شناسی کی تعلیم دیتا ہے۔ ایسا ہی ہر ایک باب مین توریت افراط کیطرف گئی ہے اور انجیل تفریط کیطرف اور قرآن شریف وسط کی تعلیم کرتا اور محل و موقعہ کا سبق دیتا ہے۔ گو نفس تعلیم تینوں کتابوں کا ایک ہی ہے مگر کسی نے کسی پہلو کو شدومد کے ساتھ بیان کیا اور کسی نے کسی پہلو کو۔ اور کسی نے فطرت انسانی کے لحاظ سے درمیانہ راہ لیا جو طریق تعلیم قرآن ہے اور چونکہ محل اور موقعہ کا لحاظ رکھنا ہی حکمت ہے سو اس حکمت کو صرف قرآن شریف نے سکھلایا ہے۔ توریت ایک بیہودہ سختی کیطرف کھینچ رہی ہے[*] اور انجیل ایک بیہودہ نرمی پر زور دے رہی ہے اور قرآن شریف وقت شناسی کی تاکید کرتا ہے۔ پس جسطرح پستان مین آکر خون دودھ بنجاتا ہے اسیطرح توریت اور انجیل کے احکام قرآن مین آکر حکمت بنگئے ہین۔ اگر قرآن شریف نہ آیا ہوتا تو توریت اور انجیل اُس اندھے کے تیر کیطرح ہوتین کہ کبھی ایک آدھ دفعہ نشانہ پر لگ گیا اور سو دفعہ خطا گیا غرض شریعت قصوں کے طور پر توریت سے آئی اور مثالوں کیطرح انجیل سے ظاہر ہوئی اور حکمت کے پیرایہ مین قرآن شریف سے حق اور حقیقت کے طالبوں کو ملی۔

سو توریت اور انجیل قرآن کا کیا مقابلہ کرینگی۔ اگر صرف قرآن شریف کی پہلی سورت کے ساتھ ہی مقابلہ کرنا چاہین یعنی سورہ فاتحہ کے ساتھ جو فقط سات آیتین ہین اور جس ترتیب انسب اور ترتیب محکم اور نظام فطرتی سے اس سورت میں صدہا حقایق اور معارف دینیہ اور روحانی حکمتین درج ہین اُن کو موسےٰ کی کتاب یا یسوع کے چند ورق انجیل مین سے نکالنا چاہین تو گو ساری عمر کوشش کرین تب بھی یہ کوشش لاحاصل ہوگی۔ اور یہ بات لاف و گزاف نہین بلکہ واقعی اور حقیقی یہی بات ہے کہ توریت اور انجیل کو علوم حکمیہ مین سورۃ فاتحہ کیساتھ بھی مقابلہ کرنے کی طاقت نہین۔ خدا کا کلام خدا کی طاقتوں سے ثابت ہوتا ہے جیسا کہ اُس کی مصنوعات عجائب قدرت سے ثابت ہوتی ہیں۔ مثلاً آسمان پر ہزاروں ستارے

[*] یہ سختی اور نرمی اپنے اپنے زمانہ اور قوم کی موجودہ حالت کے لحاظ سے مناسب تعلیم تھی مگر حقیقی تعلیم نہین تھی جو قابل ترک نہ ہوتی

ہین۔ اب اگر کوئی بیوقوف چند ستاروں کیطرف اشارہ کرکے کہدے کہ ان کی کیا ضرورت ہے لہٰذ
یہ خدا تعالےٰ کی طرف سے نہین ہین یا چند بوٹیوں یا پتھروں یا جانوروں کا نام لیکر کہدے کہ انکے
وجود کے بغیر دوسری بوٹیوں وغیرہ سے کام چلسکتا ہے۔ اس لئے یہ خدا تعالےٰ کیطرف سے نہین
ہین تو ایسا قائل بجز دیوانہ یا احمق کے کون ہوسکتا ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ قرآن اُن تمام کمالات کا جامع ہے جنکی انسانکو تکمیل نفس کیلئے
حاجت ہے۔ اور توریت کی قرآن کے ساتھ یہ مثال ہے کہ جیسے ایک مسافر خانہ تہا وہ بڑی بڑی
آندھیوں اور زلزلوں کے باعث سے گر پڑا اور بجائے اس مسافر خانہ کے ایک اینٹوں کا ڈھیر لگ گیا اور
پاخانہ کی اینٹیں باورچی خانہ مین اور باورچی خانہ کی پاخانہ مین جا پڑین اور سب مکان زیر و زبر ہوگیا
پس اس سرائے کے مالک کو مسافروں کے حال پر رحم آیا سو اُس نے فی الفور بجائے اس مسافر خانہ کے
ایک ایسا عمدہ اور آرام بخش مسافر خانہ طیار کیا جو اُس پہلے سے بہتر اور مسافروں کے لئے نہایت
آرام بخش مکانات اپنے اپنے قرینہ سے اُس میں موجود تھی اور کسی ضرورت کے مکان کی کمی نہین تھی
اور مالک نے اس آخر الذکر مسافر خانہ کی تعمیر مین کچہہ تو وہی اینٹین پہلی مسافر خانہ کی لے لین اور کچہہ یاد
اینٹین اور لکڑی وغیرہ مصالح بہم پہونچایا جو عمارت کو کامل طور پر کافی ہوسکتا تہا سو قرآن شریف
وہی دوسرا مسافر خانہ ہے جسکی آنکہین ہون دیکھے !!!

اس جگہ یہ اعتراض بھی دور کر دینے کے قابل ہے کہ جس حالت مین حقیقی اور کامل تعلیم یہی ہے
جس مین محل اور موقعہ کی رعایت اور ہر ایک نکتہ معرفت کا استیفاء کے ساتھ بیان ہو تو کیا سبب ہے
کہ توریت اور انجیل اس سے خالی رہین اور قرآن نے ان دونو باتوں کو کمال تک پہونچایا تو اس کا جواب
یہی ہے کہ یہ توریت اور انجیل کا قصور نہین ہے بلکہ قوموں کی استعداد کا قصور ہے یہودی لوگ جنسے
پہلے حضرت موسیٰ کو واسطہ پڑا وہ چارسو برس تک فرعون کی غلامی مین رہے تھے اور ایک مدت دراز تک
ظلم کے تختہ مشق رہکر عدل اور انصاف کی حقیقت سے بے خبر ہو گئے تھے یہ ایک فطرتی قاعدہ ہے کہ اگر بادشاہ
وقت جو مودّب اور آموزگار کے حکم مین ہوتا ہے عادل ہو تو رعایا کے دلپر عدل کا پرتو اپڑتا ہے اور
طبعًا وہ بھی خلق عدل کیطرف مائل ہو جاتے ہین اور تہذیب اور شایستگی ان مین پیدا ہو کر عادلانہ
صفات اپنا جلوہ دکھاتے ہین لیکن اگر بادشاہ ظالم ہو تو رعایا بھی اس سے ظلم اور تعدی کا سبق

سیکھتی ہے اور اکثر ان کی صفت عدل سے محروم ہوتی ہے۔ پس یہی حال بنی اسرائیل کا ہوا۔ کہ وہ لوگ ایک مدت دراز تک فرعون جیسے ظالم بادشاہ کی رعایا رہکر اور طرح طرح کے ظلم اٹھاکر عدل کی کیفیت سے بالکل غافل ہو گئے۔ سو حضرت موسیٰ کا فرض یہ تھا کہ ان کو سب سے پہلے عدل کا سبق دیں اس لئے توریت میں عدل کی حفاظت کے لئے بڑے شدومد سے آیات پائی جاتی ہیں۔ ہاں رحم کی آیات کا بھی توریت میں پتہ ملتا ہے لیکن اگر غور سے دیکھو تو ایسی آیتیں بھی عدل کے حدود کی نگہداشت کے لئے اور ناجائز جذبات اور بیجا کینوں کے روکنے کے لئے بیان فرمائی گئی ہیں۔ اور ہر جگہ اصل مدعا قوانین عدل اور انصاف کی نگہداشت ہے لیکن انجیل پڑھنے سے یہ مدعا معلوم نہیں ہوتا بلکہ انجیل میں عفو اور ترک انتقام پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اور جب ہم انجیل کو تدبر اور عمیق نگاہ سے دیکھتے ہیں تو اس کے سلسلہ عبارت سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ اس کتاب کا لکھنے والا اپنے مخاطبین کی نسبت یہ یقین رکھتا ہے کہ وہ لوگ طریق مروت اور صبر اور ترک انتقام سے بالکل دور اور مہجور ہیں اور چاہتا ہے کہ انکے ایسے دل ہو جائیں کہ انتقام لینے کے حریص نہ ہوں اور صبر اور برداشت اور عفو اور درگذر اپنی عادت کریں۔ اس کا یہی سبب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں یہودیوں کی اخلاقی حالت میں بہت فتور آگیا تھا۔ اور مقدمہ بازی اور کینہ کشی میں انتہا تک پہونچ گئے تھے۔ اور اس بہانہ سے کہ ہم قانون عدل کے حامی ہیں رحم اور درگذر کی خصلتیں بالکل ان میں سے دور ہو گئی تھیں۔ سو انجیل کی نصیحتیں قانون مختص الزمان کیطرح یا مختص القوم کیطرح ان کو سنائی گئی تھیں۔ مگر یہ واقعی قانون کی تصویر نہ تھی اس لئے قرآن نے آکر اُس کو دور کر دیا۔

جس وقت ہم قرآن کو غور سے دیکھتے ہیں اور صاف دل سے اس کے مقصد کے گہراؤ تک چلے جاتے ہیں تو ہمیں صاف دکھائی دیتا ہے کہ قرآن نے نہ توریت کیطرح انتقام اور سختی پر ایسا زور ڈالا ہے کہ جیسا کہ توریت کی لڑائیوں اور قانون قصاص سے ثابت ہوتا ہے۔ اور نہ انجیل کی طرح یکدفعہ عفو اور صبر اور درگذر کی تعلیم پر گر پڑا ہے بلکہ بار بار امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیتا ہے یعنی یہ حکم دیتا ہے کہ جو امر عقل اور شرع کے رو سے بہتر اور محل پر ہو اس کو بجا لاؤ اور جس پر عقل اور شرع کا اعتراض ہو اور منکرات میں سے ہو اس سے دست بردار ہو جاؤ سو قرآن کے دیکھنے سے ایسا پایا جاتا ہے کہ وہ اپنے قوانین اور حدود اور اوامر کو علم کے رنگ میں ہمارے دلوں میں جمانا چاہتا ہے

کیونکہ وہ شخصی امر اور نہی کے زندان مین ہمین محبوس کرنا نہین چاہتا بلکہ اپنی پاک شریعت کو قواعد کلیہ کیطور پر بیان کر دیتا ہے۔ مثلاً وہ ایک کلام کلی کیطور پر حکم فرماتا ہے کہ تم معروف کو بجا لاؤ اور منکر سے دستکش ہو جاؤ۔ سو یہ دو کلمے یعنے معروف اور منکر ایسے جامع کلمے ہین جو شریعت کے قوانین کو علمی رنگ مین لے آتے ہین اور اس تعلیم سے ہر ایک عمل مین یہ سوچنا پڑتا ہے کہ حقیقی نیکی کیا ہے۔ مثلاً اسوقت جو زید نے ہمارا ایک گناہ کیا ہے تو اسکو مارنا بہتر ہے یا عفو کرنا۔ اور ایک سائل جو ہم سے مثلاً ہزار روپیہ اس غرض سے مانگتا ہے کہ وہ اس روپیہ سے اپنے لڑکے کی دہوم دھام سے شادی کرے اور آتشبازی اور رنگا رنگ کی طوائفین اور دوسرے باجوں کے ساتھ اپنے خاندان کے رسوم کیموافق اس رسم کو ادا کرے تو ہم ہزار روپیہ اسکو دے سکتے ہین مگر ہمین امر معروف اور نہی منکر کے قاعدہ کے لحاظ سے سوچ لینا چاہیئے کہ کیا یہ سخاوت ہے یا کس شخص کی مدد کرتے ہین غرض اسیطرح قرآن نے ہمارے دین اور دنیا کی بہبودی کے لئے ہمارے ہر ایک کار خیر مین محل اور موقعہ کی قید لگا دی ہے۔

اسجگہ ایک اور اعتراض کا دفع کرنا بھی ضروری ہے کہ اسلام نے توحید کے منوانے کے لئے بہود

وغیرہ اقوام کے ساتھ لڑائیاں کی ہین۔

سو واضح ہو کہ اسلام نے توحید منوانے کے لئے لڑائیاں ہرگز نہین کین بلکہ اسلام کے مخالف خود اپنی شرارتوں سے لڑائیوں کے محرک ہوئے۔ بعض نے مسلمانون کے قتل کرنے کے لئے خود پہلے تلوار اٹھائی بعض نے ان کی مدد کی۔ بعض نے اسلام کی تبلیغ روکنے کے لئے بیجا مزاحمت کی۔ سو ان تمام موجبات کی وجہ سے مفسدین کی سرکوبی اور سد فتنہ اور شر کی مدافعت کے لئے خدا تعالےٰ نے اُن ہی مفسدون کے مقابل پر لڑائیوں کا حکم کیا۔ اور یہ کہنا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تیرہ برس تک اس وجہ سے مخالفوں سے لڑائی نہیں کی کہ اس وقت تک پوری جمعیت حاصل نہیں ہوئی تھی یہ محض ظالمانہ اور مفسدانہ خیال ہے۔ اگر صورت حال یہ ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف تیرہ برس تک ان ظلمون اور خونریزیوں سے باز رہتے جو مکہ مین ان سے ظہور پذیر ہوئے اور پھر اپنے مشورہ کے یہ تجویز نہ کرتے کہ یا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دینا چاہیئے اور یا وطن سے نکال دینا چاہیئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی بغیر حملہ مخالفین کے مدینہ کیطرف چلے جاتے تو ایسی بدظنیوں کی کوئی جگہ بھی ہوتی۔ لیکن یہ واقعہ تو ہمارے مخالفون

کو بھی معلوم ہے کہ تیرہ برس کے عرصہ میں ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم دشمنوں کی ہر ایک سختی پر صبر کرتے رہے اور صحابہ کو سخت تاکید تھی کہ بدی کا مقابلہ نہ کیا جائے چنانچہ مخالفوں نے بہت سے خون بھی کئے اور غریب مسلمانوں کو زد و کوب کرنے اور خطرناک زخم پہونچانے کا تو کچھ شمار نہ رہا۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے کے لئے حملہ کیا۔ سو ایسے حملہ کے وقت خدا نے اپنے نبی کو شریروں سے محفوظ رکھکر مدینہ میں پہونچا دیا اور خوشخبری دی کہ جنہوں نے تلوار اٹھائی وہ تلوار ہی سے ہلاک کئے جاینگے پس ذرا عقل اور انصاف سے سوچو کہ کیا اس روئداد سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ جمعیت لوگوں کی ہوگئی تو پھر لڑائی کی نیت جو پہلے سے دل میں پوشیدہ تھی ظہور میں آئی افسوس ہزار افسوس کہ تعصب مذہبی کے رو سے عیسائی دین کے حامیوں کی کہاں تک نوبت پہونچ گئی ہے۔ یہ بھی نہیں سوچتے کہ مدینہ میں جا کر جب مکہ والوں کے تعاقب کے وقت بدر کی لڑائی ہوئی جو اسلام کی پہلی لڑائی ہے تو کونسی جمعیت پیدا ہو گئی تھی۔ اس وقت تو کل تین سو تیرہ آدمی مسلمان تھے اور وہ بھی اکثر نو عمر نا تجربہ کار جو میدان بدر میں حاضر ہوئے تھے۔ پس سوچنے کا مقام ہے کہ کیا اس قدر آدمیوں پر بھروسہ کرکے عرب کے تمام بہادروں اور یہود اور نصاریٰ اور لاکھوں انسانوں کی سرکوبی کے لئے میدان میں کسی کا نکلنا عقل فتوے دے سکتی ہے ؟ !!! اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ نکلنا اُن تدبیروں اور ارادوں کا نتیجہ نہیں تھا۔ جو انسان دشمنوں کے ہلاک کرنے اور اپنی فتحیابی کے لئے سوچتا ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو کم سے کم تیس یا چالیس ہزار فوج کی جمعیت حاصل کر لینا ضرور تھا اور پھر اس کے بعد لاکھوں انسانوں کا مقابلہ کرنا۔ لہذا صاف ظاہر ہے کہ یہ لڑائی مجبوری کے وقت خدا تعالےٰ کے حکم سے ہوئی تھی نہ ظاہری سامان کے بھروسہ پر

حضرت مسیح کا دس گمشدہ اسرائیلی

قوموں کیطرف جانا

انجیلی شہادتیں نمبر ۳

اس عنوان کے نیچے گذشتہ دو نمبروں مین انجیل کے قصص کی بنا پر ہمنے یہ ثابت کیا تہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب کی لعنتی موت سے بچائے گئے اگرچہ ان مضامین کو شایع ہوئے دو ماہ کا عرصہ گذر چکا ہے لیکن عیسائیوں کی طرف سے ان کی تردید مین ہم نے سوائے اس ریمارک کے اور کچھہ نہین دیکھا کہ اس قسم کے استنباط انجیلوں کے اصلی اور یکساں مفہوم اور منشاء کے خلاف ہین لیکن اصل بات یہ ہی کہ اناجیل کا یہ فرضی اصلی منشاء سوائے اس کے کوئی حقیقت نہین رکھتا کہ یہ عیسائیوں کا دلی اعتقاد ہے۔ بجائے خود قصص اناجیل اسقدر متضاد بیانات کا مجموعہ ہین کہ ان کا ایک ہی مفہوم ہونا تو الگ رہا۔ انکے پڑہنے سے یہ بھی معلوم نہین ہوتا کہ وہ ایک ہی شخص کے قصہ کو بیان کر رہی ہین یا مختلف اشخاص کے۔ جسقدر رکیک تاویلوں سے چاہو الفاظ کے معنے کرنے مین مدد لو لیکن پھر بھی تمام انجیلوں کے قصوں کو ایک ہی شخص کا مکمل قصہ ثابت کرنا محال ہے۔ ایسی صورت مین عقلمند کا فرض ہے کہ بیہودگیوں کو رد کر کے یسوع کی زندگی کی بنا ان واقعات کو ٹھیرائے جو تاریخی طور پر صحیح معلوم ہون اور اگر وہ یہ نہ کرے گا تو پھر اُسے سارے قصہ کو ہی غلط اور بے بنیاد ٹھیرا کر رد کرنا پڑے گا۔ اس سے پہلے ہم دکھلا چکے ہین کہ انجیل مین ایسے واقعات اور بیانات ایک دو نہین بلکہ بکثرت ہین جنسے قطعی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یسوع صلیب پر نہین مرا اب ہم عیسائیوں ہی سے پوچھتے ہین کہ ان تمام انجیلی فقروں کو کیا کرین جھوٹے کہین یا وضعی ٹھہرائین یا تحریف کا نام دین۔ مثلاً انجیل کی اس پیشگوئی کی نسبت عیسائیوں کا کیا اعتقاد ہے جس مین حضرت مسیح کہتے ہین کہ یونس نبی کے نشان کے سوائے کوئی نشان یہودیوں کو نہین دیا جاوے گا۔ اگر اس پیشگوئی کو جھوٹا نہ ٹھیرایا جائے تو اس نتیجہ سے کسی طرح گریز ہی نہین ہو سکتی کہ جسطرح یونس زندہ مچھلی کے پیٹ مین ڈالا گیا اسیطرح مسیح زندہ قبر کے اندر رکھا گیا۔

عیسائی مذہب کے حامیوں نے بہت ساری کوششیں کی ہین کہ اس مشکل سے بچنے کی کوئی راہ نکل آوے مگر ان کی کوششین لاحاصل ثابت ہوئی ہین۔ پھر مثلاً پیلاطوس کی بیوی کے اس خواب کی نسبت کیا رائے لگائی جاوے جو متی ۲۷ باب ۱۹ مین مذکور ہے۔ کیا اس کو شیطانی سمجھا جاوے یا اس سارے قصے کو ہی جھوٹا مانا جاوے۔ ان دونوں باتون کو تو کوئی عیسائی تسلیم نہین کرے گا۔ لیکن اگر یہ دونوں باتین ٹھیک نہین تو پھر اس خواب کی غرض اور مقصد کیا ہے کیا یہ بدیہی بات نہیں کہ اس خواب کا مقصد مسیح کو صلیب سے نجات دینا ہے؟ اگر خداتعالیٰ کا یہ منشا نہین تھا کہ مسیح صلیب کی لعنتی موت سے نجات پائے تو کیوں اس نے پیلاطوس کو متنبہ کرنے کے لئے اس کی عورت کے پاس فرشتہ بھیجا اور اس طرح پر نعوذ باللہ ایک لغو حرکت کی؟ اور اگر اس کا مقصد واقعی یسوع کو چھوڑانا ہی تھا جیسا کہ خواب سے صاف طور پر پایا جاتا ہے تو کیا خدا کے علاوہ اور اس سے مقتدر بھی ہستی موجود ہے جس نے خداتعالے کے اس ارادے کو پورا نہ ہونے دیا مسیح کی پیدایش کیمتعلق جو قصہ انجیل مین مذکور ہے وہاں بھی ایک خواب کے ذریعہ ہی متنبہ کرکے خداتعالے نے مسیح کو قتل کئے جانے سے بچایا تھا اب ان دونوں خوابوں کا مقابلہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جیسا کہ پہلی خواب مین منشاء ایزدی یہ تھا کہ مسیح کی جو اسوقت بچہ تھا جان بچ جائے ایسا ہی دوسری خواب مین بھی الٰہی منشاء اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ مسیح صلیب کی لعنتی موت سے بچایا جاوے۔ اگر اس خواب کا یہ منشاء نہین تو بہتر ہے کہ عیسائی صاحبان اس خواب کے ذکر کو ایک جھوٹا قصہ ٹھہرا کر انجیل سے خارج کردین پھر تیسرا امر یہ ہے کہ باغ مین جو یسوع کی دردناک دعا کا قصہ انجیل مین مذکور ہے اس کو کیونکر رد کیا جاتا ہے شدت غم کیحالت مین جو اسے موت کے برابر معلوم ہوتا تھا حضرت مسیح بڑی عاجزی سے خداتعالے کے آستانہ پر گرے اور سچی خضوع و خشوع سے رو رو کر یہ دعائیں مانگین کہ اے میرے قادر خدا اگر ممکن ہی تو یہ موت کا پیالہ مجھسے ٹالدے کون جانتا ہے کہ اسوقت اسکے دل کی کیا حالت تھی جب وہ غموں کے بوجھ کے نیچے دبا ہوا نہایت درد کے ساتھ ساری رات چلاتا رہا سوتے ہوئے حواری اسکی دردناک چیخوں سے کبھی کبھی چونک پڑتے اسکا دل اس غم کے نیچے پھوٹ پھوٹ کر بلکتا اور اس کی چیخین اس دردناک حالت مین دعا کرتے وقت ایسے زور سے نکلتی تھین کہ حواری جو بہت دور سوئے پڑے تھے۔ وہ بھی کبھی کبھی ان سے چونک اٹھتے* اس سے قیاس ہوسکتا

* نوٹ صفحہ ۹۲ پر ملاحظہ ہو۔

ہے کہ کسقدر اس کو غم تھا اور کیسا سچا جوش اس کے دل میں تھا کہ خدا تعالیٰ اسے صلیب کی لعنتی موت سے بچا لے۔ عقلمند انسان ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہیں کر سکتا کہ خدا کا ایک مقبول نبی بڑے لمبے درد کی حالت میں ساری رات ایک لعنتی موت سے بچنے کے لئے چیختا چلاتا رہے اور خدائے کریم و رحیم اس پر کچھ بھی رحم نہ کرے اور اسکی دعا کو نہ سنے اور اگر حضرت مسیح کی دعا ایسی دردناک حالت میں بھی قبول نہیں کی تو عیسائیوں کو اپنی دعاؤں کی قبولیت سے بالکل مایوس رہنا چاہیئے بلکہ خود حضرت مسیح کا دعا پر اسقدر زور دینا بالکل لغو تھا اگر اس کی اپنی دعا سب سے بھاری مصیبت کے وقت مردود ہوئی تھی ان امور کے علاوہ عبرانیوں ۵/۷ میں یہ صاف طور پر لکھا ہے کہ حضرت مسیح کی یہ دعا قبول ہو گئی تھی لیکن اگر مسیح صلیب پر مرا تھا تو دعا کے متعلق یہ تمام فقرے جھوٹے ہونے چاہئیں۔

یہ چند باتیں مثال کے طور پر ہم نے بیان کی ہیں ان کے علاوہ مسیح کا صلیب پر نہایت تھوڑا عرصہ رہنا اور صلیب کے بعد کے واقعات جو انجیلوں میں مذکور ہیں ان سے سوائے اس کے اور کوئی نتیجہ نکالا ہی نہیں جا سکتا کہ مسیح صلیب پر ہرگز نہیں مرا اور عیسائیت کے عذر خواہ جو اپنے نزدیک اناجیل کا اصلی مفہوم اس نتیجہ کے مخالف سمجھے بیٹھے ہیں وہ دراصل ایک جھوٹا عقیدہ ہے جو مدت سے انکے دل میں جا گزیں ہو گیا ہے۔

ساری تاریخ میں ایک بھی ایسی مثال نہیں ملتی جس میں ایک شخص دو یا تین گھنٹے صلیب پر لٹکائے جانے سے مر گیا ہو اور برعکس اس کے ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں کہ ایک یا دو دن

---

* انجیل میں اس دعا کا لکھا جانا اسی صورت میں ٹھیک ہو سکتا ہے کیونکہ اس موقعہ پر حضرت مسیح اپنے سارے مریدوں کو چھوڑ کر دور چلا گیا تھا (متی ۲۶/۳۶) اور تین حواری جنکو ساتھ لے گیا تھا وہ بھی گرمی کی مار سے سوئے پڑے تھے (لوقا ۲۶/۳۶) لیکن اناجیل میں حضرت مسیح کی اس دعا کا لکھا جانا صاف اس امر پر شاہد ہے کہ حضرت مسیح کی دردناک آہوں سے جو دعا کے وقت وہ کرتے ہوں گے کبھی کبھی حواری جاگ اٹھتے ہونگے اور اس طرح پر اسکی دعا کے الفاظ سن لیئے ہوں گے جو بعد ازاں انکی روایت پر انجیل میں درج ہوئے۔ منہ

تک بھی صلیب پر لٹکا رہنے کے بعد بعض اشخاص جانبر ہو گئے فاضل مورخ جوزیفس نے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے جس میں اس نے قیصر سے تین شخصوں کے جو صلیب پر دکم ازکم ایک دن سے زیادہ عرصہ سے جیسا کہ واقعات سے شہادت ملتی ہے) لٹکے ہوئے تھے چھوڑے جانے کیلئے درخواست کی اور وہ درخواست قبول ہو کر مناسب علاج سے تینوں میں سے ایک کی جان بچ گئی۔ درحقیقت صلیب سے موت اسقدر آہستہ واقع ہوتی ہے کہ عقلمند انسان صرف اسی ایک واقعہ پر جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح صلیب پر دو یا تین گھنٹے سے زیادہ نہیں رہا غور کرنے سے اس نتیجہ پر پہونچ سکتا ہے کہ مسیح کے صلیب پر مرنے کا مقدمہ ایک بالکل بے بنیاد اور غلط اعتقاد ہے۔ اس خیال کا بے بنیاد ہونا خود انجیل سے بھی ثابت ہے کیونکہ لکھا ہے کہ یسوع اور دونوں چوروں کے لئے صلیب کی سزا کے بعد ٹانگیں توڑنے کی سزا کا بھی حکم ہوا تھا جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس تھوڑے سے عرصہ کو جو وہ صلیب پر رہے تھے موت کے لئے بالکل ناکافی خیال کیا گیا اور اس لئے ایک دوسری تجویز ایسی سزا کی کی گئی جس سے سچ مچ موت واقعہ ہو جاوے کیونکہ ٹانگوں کے توڑنے کی سزا اکثر اوقات مجرموں کے مارنے کے لئے ایک علیحدہ سزا کے طور پر دی جاتی تھی اور مسیح اور چوروں پر صلیب کے بعد بھی اس سزا کے وارد کئے جانے کا حکم صاف بتاتا ہے کہ صلیب کو بسبب تھوڑا وقت ہونے کے ناکافی خیال کیا گیا اور ایک اور تکلیف دہ صورت موت کی تجویز کی گئی۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ٹانگوں کا توڑنا اس طور پر ہوا کرتا تھا کہ چوٹے سے لیکر پاؤں تک کی تمام ہڈیاں ہتھوڑے کے ساتھ توڑی جاتی تھیں۔ اب جہاں انجیلوں سے یہ ثابت ہے کہ ٹانگیں توڑنے کا حکم دیا گیا تھا کیونکہ صلیب پر اسقدر تھوڑے عرصہ کے لئے مسیح اور دونوں چور رکھے گئے تھے کہ اس سے موت واقعہ نہ ہو سکتی تھی۔ اس جگہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ چوروں کی ٹانگیں توڑی گئیں مگر مسیح کی نہیں توڑی گئیں اور یہ بہانہ کر دیا گیا کہ مسیح مر چکا ہے اس لئے اس کی ٹانگیں توڑنے کی حاجت نہیں ہے مگر جب کہ مسیح چوروں سے زیادہ عرصہ صلیب پر نہیں رہا اور صلیب کا اثر اس قدر کم مانا گیا کہ ایک اور ایسی سخت سزا ان کے لئے تجویز کرنی پڑی جو بغیر صلیب کے بھی موت کا ذریعہ ہو سکتی تھی تو کس طرح پر ہم اس کو تسلیم کر سکتے ہیں کہ مسیح صلیب پر ہی مر چکا تھا۔ بھالے کے زخم کا قصہ رہا سہا بھی اس امر کا فیصلہ کرتا ہے کہ مسیح میں جب وہ صلیب سے اتارا گیا جان باقی تھی کیونکہ لکھا ہے کہ زخم سے پانی اور لہو بہا۔ پانی بہنے سے اگر یہ منشا ہے کہ واقعی

لہو اور پانی دو الگ الگ سیال نکلے تھے تو اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ پانی صرف معجزہ بنانے کی خاطر بہایا گیا ہے اگر زخم اسقدر بھی گہرا ہوتا کہ دل تک پہنچ جاتا تو بھی پانی کا نکلنا ممکن نہ تہا سوا اس کے کہ مرض استسقا ہوتا مگر ہم خیال نہیں کرتے کہ انجیل نویس کا یہ مطلب ہو۔ البتہ لہو کا نکلنا صاف اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مسیح ابھی زندہ تہا کیونکہ مرنے کے بعد معاً خون جم جاتا ہے مگر خون کا سیال ہونا اس امر کا یقینی ثبوت ہے کہ جب مسیح صلیب پر سے اتار اگیا تو وہ بھی چوروں کی طرح زندہ ہی تہا۔

اس مشکل سے نجات ڈہونڈنے کے لئے عذر خواہان مذہب عیسائی نے بہت سے حیلے تراشے ہیں منجملہ اُن کے ایک یہ بھی ہے کہ جسطرح چوروں کی زندگی کا خاتمہ کرنے کے لئے ان کی ٹانگیں توڑی گئیں اسی طرح مسیح کی زندگی کا بہالے سے خاتمہ کیا گیا۔ یہ اصل واقعات کی خلاف بیانی ہے۔ سپاہیوں کو اس قدر وسیع اختیارات حاصل نہ تھے کہ جسطرح چاہتے کسی کو مار ڈالتے اور اگر اُن کو ایک طریق سے مارنے کا حکم ہوتا تو اس کی بجائے وہ خود ایک اور طریق اختیار کر لیتے۔ اُن کو تو یہ ہدایت تھی کہ صلیب پر موت کے نہ واقعہ ہونے کے سبب سے تینوں کی ٹانگیں توڑیں اور اس قانونی حکم کی بجائے وہ خود بخود کوئی دوسرا تجویز نہ کر سکتے تھے۔ ہاں انجیل کے قصہ سے یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ چوروں کی ٹانگیں توڑی گئیں مگر مسیح کی نہ توڑی گئیں اور اس کے لئے ایک جھوٹا عذر کر دیا گیا۔ یہ بیان نہیں کیا گیا کہ سپاہیوں کو کیونکر معلوم ہو گیا کہ مسیح مر چکا ہے۔ سکتہ یا غشی کیحالت اور حقیقی موت میں امتیاز کرنا اس قدر مشکل امر ہے کہ اس زمانہ کا ایک ڈاکٹر بھی غلطی کھا سکتا تہا کیونکہ اُس وقت کی ڈاکٹری معلومات اس قدر وسیع نہ تھے لیکن انجیل نویس یہہ چاہتے ہیں کہ بغیر چون و چرا کے ہم ایک جاہل پولیس کے آدمی کی رائے کو تسلیم کر لیں خواہ کیسی ہی مضبوط شہادت اس کی تردید کر رہی ہو۔ اگر یہ کہا جائے کہ بے شک صلیب پر تو موت واقعہ نہ ہوئی تھی لیکن بہالے کا زخم ایسا کاری لگا تہا کہ دل تک پہونچگیا تہا اور اسی سے حضرت مسیح مر گئے تو اس کے لئے اناجیل سے کوئی شہادت نہیں ملتی علاوہ ازیں انجیل میں تو یہ لکھا ہے کہ پہلو میں نیزہ چھویا گیا تہا نہ یہ کہ عین دل کے مقام پر مارا گیا تھا اور نہ ہی یہ کہیں لکھا ہے کہ وہ زخم بڑا گہرا تھا دراصل اس طرح پر نیزہ کو عین دل کے مقام پر مارنا کہ اس سے خون باہر کو نکلے بڑے ہنر کو چاہتا ہے اور محض ایک جاہل سپاہی سے یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ انسانی بدن کی تشریح سے ایسا واقف ہو تا

جیسے پہلی صورت مین یہ بہانہ کردیا گیا تہا کہ مسیح صلیب پر مرچکا ہے اس لئے ٹانگین توڑنے کی ضرورت نہین اسی قسم کا یہ دوسرا عذر ہے کہ نیزہ کا زخم ایسا کاری تہا کہ مسیح کی ہلاکت کا باعث ہوگیا لیکن جیساکہ خون کے بہنے مین پہلے عذر کو جھوٹا ثابت کردیا اور کہدیا کہ مسیح صلیب پر نہین مرا تہا اسی طرح پر مابعد کے واقعات نے اور کوئی ایسا یقینی طریق اختیار نہ کئے جانے نے جو واقعی موت کا باعث ہوسکتا یہ ثابت کردیا کہ زخم محض کوئی چھوٹا سا خراش تہا اور اس سے بھی موت واقع نہین ہوئی۔

اس طرح پر ہم دیکھ سکتے ہین کہ جو واقعات اناجیل مین مذکور ہین ان سے مسیح کی موت کی کوئی بھی شہادت نہین ملتی۔ باقی رہے دوسرے تاریخی ذرایع جن پر ہم آگے چلکر غور کرینگے سو ان سے صاف اور یقینی شہادت مسیح کے صلیب سے بچ نکلنے کی ملتی ہے۔ کسی نامعلوم آدمی کا یہ بیان کہ مسیح صلیب پر مرگیا کسی دوسری تردید کا محتاج نہین کیونکہ انجیل نے ہی خون نکلنے کا قصہ بیان کرکے اس کا جھوٹا ہونا ثابت کردیا اس طرح پر یوحنا کی انجیل اُن تمام لوگوں کے بیان کو جھوٹا ٹھیراتی ہے جو یہ کہتے ہین کہ مسیح صلیب پر مرگیا تھا اور یقینی طور پر اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ وہ زندہ ہی اتار اگیا۔ اس امر کو عیسائی بھی تسلیم کرنے سے چارہ نہین دیکھتے کیونکہ دوسری صورت مین یوحنا کی انجیل کو ایک افترائے عظیم ٹھیرانا پڑتا ہے۔ اس طرح پر وہ تمام بیانات انجیل کی رو سے اور تاریخ کی رو سے جھوٹے ٹھیرے جن مین یہ مذکور ہے کہ مسیح صلیب پر مرگیا تھا اور جب یہ بیانات جھوٹے ثابت ہوگئے تو اب مسیح کی موت کی کوئی شہادت باقی نہ رہی۔ مردوں مین سے مسیح کا جی اٹھنا ایک ایسا امر ہے جو انسانی روزمرّہ مشاہدہ کے خلاف ہے اور اس لئے اس کے ثابت کرنے کے لئے شہادت بھی ایسی ہی وزنی اور مضبوط ہونی چاہیے۔ لیکن اگر کسی ایسے آدمی کے زندہ دیکھے جانے کا ثبوت ملے جس کی موت کی کوئی معتبر اور یقینی شہادت ہمارے پاس نہین ہے تو ایسا ثبوت اُس کے مردوں مین سے جی اٹھنے کی کوئی دلیل نہین ہان اگر وہ کسی خطرناک حالت مین سے ہوگذرا ہو تو اس کی شفایابی کی یہ دلیل ٹھہر سکتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ بہت لوگ جو مسیح سے بہت زیادہ زیادہ عرصہ صلیب پر لٹکائے گئے وہ بھی جانبر ہوگئے تو کیا پھر ان سب کو مردوں مین سے اٹھے ہوئے مان لینگے۔ ایسا محاورہ اگر استعارہ کے طور پر ان کے حق مین بولا جاوے تو اس مین تو چندان حرج نہین کیونکہ دنیا کے نزدیک وہ مرہی چکے ہوتے ہین انہین معنون

کے رو سے مسیح نے بھی اپنے شاگردوں کو کہا تھا کہ جی اٹھنے کے بعد میں تم سے آگے آگے جلیل کو جاؤں گا۔ اس لئے اگر ان بیانات کو جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسیح صلیب کے بعد بھی چلتا پھرتا دیکھا گیا صحیح تسلیم کیا جاوے تو اس کے حقیقی طور پر مردوں میں سے جی اٹھنے کے لئے اس کی موت کی اعلےٰ درجہ کی مضبوط شہادت اور قوی دلیل چاہیے کیونکہ صرف اس طرح پر دیکھا جانا اس نتیجہ تک نہیں پہونچاتا کہ وہ جی اٹھا تھا بلکہ اس نتیجہ تک پہونچاتا ہے کہ وہ مرا ہی نہیں تھا لیکن مسیح کی موت کی ایسی مضبوط شہادت جو یقین کے درجہ تک ثبوت کو پہونچا سکے اناجیل میں نہیں پائی جاتی۔ اس لئے اناجیل کی شہادت بجائے جی اٹھنے کے اس کی شفا پانی پر شاہد ہے اس قسم کی شہادت کے نہ پائے جانے سے ہر زمانہ میں مسیح کی موت کے متعلق شکوک پیدا ہوتے رہے ہیں بلکہ خود اسی وقت یعنی عین صلیب کے وقت پیلاطوس نے اپنی رائے کا یہ اظہار کیا کہ اتنی جلدی مسیح کیونکر مر گیا اس وقت سے لے کر اس زمانہ تک دوستوں اور دشمنوں کے دلوں میں یہ شکوک پیدا ہوتے رہے کہ مسیح واقعہ میں مرا نہیں اگرچہ ابتدا ہی سے حامیان مذہب عیسائی نے یہ عذر گھڑ لیا تھا کہ مسیح کا اس قدر جلدی مرجانا اس کا معجزہ ہے ورنہ واقعات کے رو سے وہ اس قدر جلدی مر نہ سکتا تھا۔

اناجیل متضاد بیانات کا ایک عجیب نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے پیش کرتی ہیں یعنی پہلے تو ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ مسیح صلیب پر مر گیا تھا پھر اس کے بعد خون نکلنے کا واقعہ بیان کر کے یہ ظاہر کرتی ہیں کہ وہ صلیب پر مرا نہیں تھا یہ اختلاف بیان دور نہیں ہو سکتا جب تک یہ تسلیم نہ کیا جاوے کہ پہلا بیان جو صلیب پر موت کے متعلق ہے وہ اگر مسیح کو بچانے کی غرض سے نہیں تو کم از کم ناواقفیت کے سبب سے ہے کیونکہ ایسی صورت میں موت کے متعلق قطعی رائے دینا کسی لایق ڈاکٹر کا کام ہو سکتا ہے جو ہرگز بلایا نہیں گیا اور اگر اس کو ہم تسلیم نہ کریں تو پھر انجیلوں کو مختلف اور متضاد بیانات کا ایک مجموعہ ٹھہرا کر ردی میں پھینکنا پڑے گا۔ اگر انجیلوں میں کوئی اس قسم کا بیان بھی ہوتا کہ خون بہنے کے بعد مسیح مرا تھا تو ایسا بیان البتہ بحث اور غور کے لایق ہوتا اگرچہ پھر بھی یہ شبہ باقی رہتا اور اس اعتراض کی گنجایش ہوتی کہ جیسے مسیح کے صلیب پر مرنے کا بیان خود انجیلوں سے ہی غلط ثابت ہوتا ہے ایسے ہی یہ دوسرا بیان بھی پہلے کی طرح جھوٹا ہے لیکن عیسائیت کے حامیوں کی مشکلات اس سے اور بھی بڑھ گئے

ہین کہ کوئی بیان یا واقع خون نکلنے کے قصے کے بعد ایسا مذکور نہین جس سے مسیح کی موت کی شہادت ملے اس لئے اس امر کا بار ثبوت کہ مسیح یقینی طور پر مر چکا تھا عیسائی صاحبان کے ذمہ ہے اور جب تک اس کی موت کا قطعی ثبوت پیش نہ کیا جاوے اس کے جی اٹھنے کے قصے بیان کرنا ایک بے معنی اور لغو حرکت ہے۔

واقعہ صلیب کے بعد یسوع کا دیکھے جانا جیسا کہ ہم مفصل پہلے نمبروں مین بیان کر چکے ہین۔ صاف طور پر دکھاتا ہے کہ مسیح کو کوئی نیا جسم نہین ملا تھا بلکہ یہی انسانی جسم اسی ترکیب سے تھا۔ ہر ایک واقع جو اس کے دیکھا جانے یا ملاقات کرنے کے متعلق واقعہ صلیب کے بعد بیان کیا جاتا ہے۔ اس سے اس کے جسم کا انسانی ترکیب اور انسانی احتیاجات کا پابند ثابت ہونے کے علاوہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اُس کی صحت مین اسیطرح بتدریج ترقی ہوئی جیسے کسی خطرناک مرض سے شفا یافتہ انسان کے صحت پانے کی حالت میں ہوتی ہے سب سے پہلے تو یہی امر قابل غور ہے کہ جب تک دو تین دن گذر نہین جاتے وہ قبر سے باہر نہین نکل سکتا یہ خیال کرنا کہ جی اٹھنے کے لئے اُسے اسقدر وقت درکار تھا اور اس سے پہلے وہ جی نہ سکتا تھا پرلے درجہ کی بیہودگی ہے ہان سخت کمزوری اور بے ہوشی کے بعد بے شک انسان اس قابل نہیں ہو سکتا کہ جلدی ہی چل پھر سکے سو اس لحاظ سے یہ بالکل صاف بات ہے کہ دو تین دن کے سوائے وہ چلنے پھرنے کے قابل نہ ہو سکتا تھا۔ پھر ہم دیکھتے ہین کہ اُس کے بعد بھی یعنی قبر سے باہر نکلنے کے بعد وہ معاً کوئی بڑا سفر اختیار نہین کر سکا بلکہ پہلے باغ مین چلتا پھرتا رہا پھر آہستہ آہستہ باہر نکلنا شروع کیا اور آخر کار جب کافی طاقت جسم مین دیکھی تو جلیل کا راستہ اختیار کیا جو یہود کے شور و شر اور فتنوں سے امن مین تھا اور جو پہلے سے ہی حواریوں کے ساتھ ملاقات کا مقام قرار پا چکا تھا۔ اور پھر ان تمام صورتوں میں بھیس بدل کر رہا اور ہمیشہ یہ احتیاط کرتا رہا کہ اس کے دشمنوں کو اُس کا پتہ نہ ملجائے۔ علاوہ ازین جسوقت سے یوسف نے اپنے ذمہ اُس کی خبر گیری لی اُسی وقت سے وہ تجربہ کار طبیبوں کے زیر علاج رہا یہ محض خیال ہی نہین بلکہ مرہم عیسیٰ کی شہادت مضبوط شہادت سے ایک ثابت شدہ امر ہے لیکن اس کا ذکر ہم آگے اس کے اپنے مقام پر چلکر کرینگے۔

اور منجملہ اُن شہادتوں کے جو انجیل سے ہم کو ملی ہین انجیل متی کی وہ عبارت ہے جو ہم ذیل مین لکھتے ہین۔ "اور قبرین کھل گئین اور بہت لاشین پاک لوگوں کی جو آرام مین تھین اٹھین اور اس کے

اٹھنے کے بعد (یعنی مسیح کے اٹھنے بعد) قبروں میں سے نکلکر اور مقدس شہر میں جاکر بہتوں کو نظر آئیں"۔ دیکھو انجیل متی باب ۲۷ آیت ۵۲۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ قصہ جو انجیل میں بیان کیا گیا ہے کہ مسیح کے اٹھنے کے بعد پاک لوگ قبروں میں سے باہر نکل آئے اور زندہ ہوکر بہتوں کو نظر آئے یہ کسی تاریخی واقعہ کا بیان نہیں ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر گویا اسی دنیا میں قیامت نمودار ہو جاتی اور وہ امر جو صدق اور ایمان دیکھنے کے لئے دنیا پر مخفی رکھا گیا تھا وہ سب پر کھل جاتا اور ایمان ایمان نہ رہتا اور ہر ایک مومن اور کافر کی نظر میں آنے والے عالم کی حقیقت ایک بدیہی چیز ہو جاتی جیساکہ چاند اور سورج اور دن رات کا وجود بدیہی ہے تب ایمان ایسی قیمتی اور قابل قدر چیز نہ ہوتی جس پر اجر پانے کی کچھ امید ہو سکتی اگر مقدس لوگ اور بنی اسرائیل کے گذشتہ نبی جن کی تعداد لاکھوں تک پہونچتی ہے سچ مچ واقعہ صلیب کے وقت زندہ ہو گئے تھے اور زندہ ہو کر شہر میں آ گئے تھے اور حقیقت میں مسیح کی سچائی اور خدائی ثابت کرنے کے لئے یہ معجزہ دکھایا گیا تھا جو صدہا نبیوں اور لاکھوں راستبازوں کو ایک دم میں زندہ کر دیا گیا تو اس صورت میں یہودیوں کو یہ ایک عمدہ موقعہ ملا تھا کہ وہ زندہ شدہ نبیوں اور دوسرے راستبازوں اور اپنے فوت شدہ باپ دادوں سے مسیح کی نسبت دریافت کرتے کہ کیا یہ شخص جو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے درحقیقت خدا ہے یا کہ اپنے اس دعوے میں جھوٹا ہے اور قرین قیاس ہے کہ اس موقعہ کو انہوں نے ہاتھ سے نہ دیا ہوگا اور ضرور دریافت کیا ہوگا کہ یہ شخص کیسا ہے کیونکہ یہودی ان باتوں کے بہت حریص تھے کہ اگر مردے دنیا میں دوبارہ آ جائیں تو ان سے دریافت کریں تو پھر جس حالتیں لاکھوں مردے زندہ ہوکر شہر میں آ گئے اور ہر ایک محلہ میں ہزاروں مردے چلے گئے تو ایسے موقعہ کو یہودی کیونکر چھوڑ سکتے تھے ضرور انھوں نے نہ ایک دو سے بلکہ ہزاروں سے پوچھا ہوگا اور جب یہ مردے اپنے اپنے گھروں میں داخل ہوئے ہونگے تو ان لاکھوں انسانوں کے دنیا میں دوبارہ آنے سے گھر گھر میں شور پڑ گیا ہوگا اور ہر ایک گھر میں یہی شغل اور یہی ذکر اور یہی تذکرہ شروع ہو گیا ہوگا کہ مردوں نے پوچھتے ہونگے کہ کیا آپ لوگ اس شخص کو جو یسوع مسیح کہلاتا ہے حقیقت میں خدا جانتے ہیں۔ مگر چونکہ مردوں کی اس گواہی کے بعد جیساکہ امید تھی یہودی حضرت مسیح پر ایمان نہیں لائے اور نہ کچھ نرم دل ہوئے بلکہ اور بھی سخت دل ہو گئے تو غالباً معلوم ہوتا ہے کہ مردوں نے کوئی اچھی گواہی نہیں دی بلکہ بلاتوقف یہ جواب

دیا ہوگا کہ یہ شخص اپنے اس دعوئے خدائی مین بالکل جھوٹا ہے اور خدا پر بہتان باندھتا ہے۔ تبھی تو لاکھوں انسانوں بلکہ پیغمبروں اور رسولوں کے زندہ ہونے کے بعد بھی یہودی اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے اور حضرت مسیح کو مار کر پھر دوسروں کے قتل کیطرف متوجہ ہوئے۔ بھلا یہ بات سمجھ آسکتی ہے کہ لاکھوں راستباز کہ جو حضرت آدم سے لیکر حضرت یحیی تک اس زمین پاک کی قبروں مین سوئے ہوئے تھے وہ سب کے سب زندہ ہوجائیں اور پھر وعظ کرنے کے لئے شہر مین آئین اور ہر ایک کھڑا ہو کر ہزارہا انسانوں کے سامنے یہ گواہی دے کہ درحقیقت یسوع مسیح خدا کا بیٹا بلکہ خود خدا ہے اسی کی پوجا کیا کرو اور پہلے خیالات چھوڑ دو ورنہ تمہارے لئے جہنم ہے جسکو خود ہم دیکھکر آئے ہین۔ اور پھر باوجود اس اعلیٰ درجہ کی گواہی اور شہادت رویت کے جو لاکھوں راستباز مردوں کے منہ سے نکلی یہودی اپنے انکار سے باز نہ آئین۔ ہمارا کانشنس تو اس بات کو نہین مانتا۔ پس اگر فی الحقیقت لاکھوں راستباز فوت شدہ پیغمبر اور رسول وغیرہ زندہ ہو کر گواہی کے لئے شہر مین آئے تھے تو کچھ شک نہین کہ انہون نے کچھ الٹی ہی گواہی دی ہوگی اور ہرگز حضرت مسیح کی خدائی کو تصدیق نہین کیا ہوگا۔ تبھی تو یہودی لوگ مردوں کی گواہیوں کو سنکر اپنے کفر پر پکے ہوگئے اور حضرت مسیح تو ان سے خدائی منوانا چاہتے تھے مگر وہ تو اس گواہی کے بعد نبوت سے بھی منکر ہو بیٹھے۔

غرض ایسے عقیدے نہایت مضر اور بد اثر ڈالنے والے ہین کہ ایسا یقین کیا جائے کہ بہت لاکھوں مردے یا اس سے پہلے کوئی مردہ حضرت مسیح نے زندہ کیا تھا کیونکہ ان مردوں کے زندہ ہونے کے بعد کوئی نیک نتیجہ پیدا نہین ہوا۔ یہ انسان کی فطرت مین ہے کہ اگر مثلاً کوئی شخص کسی دور دراز ملک مین جاتا ہے اور چند برس کے بعد اپنے شہر مین واپس آتا ہے تو طبعاً اس کے دل مین یہ جوش ہوتا ہے کہ اس ملک کے عجائب غرائب لوگوں کے پاس بیان کرے اور اس ولایت کے عجیب در عجیب واقعات سے ان لوگوں کو اطلاع دے نہ یہ کہ اتنی مدت کی جدائی کے بعد جب اپنے لوگوں کو ملے تو زبان بند رکھے اور گنگوں کی طرح بیٹھا رہے بلکہ ایسے موقعہ مین دوسرے لوگوں مین بھی فطرتاً یہ جوش پیدا ہوتا ہے کہ ایسے شخص کے پاس دوڑے آتے ہین اور اس ملک کے حالات اس سے پوچھتے ہین اور اگر ایسا اتفاق ہو کہ ان لوگوں کے ملک مین کوئی غریب شکستہ حال وارد ہو جسکی ظاہری حیثیت غریبانہ ہو اور وہ دعویٰ کرتا ہو کہ مین اس ملک کا بادشاہ ہوں جس کے پایہ تخت کا سیر کرکے یہ لوگ آئے ہین۔ اور مین فلان فلان بادشاہ سے بھی اپنے شاہانہ مرتبہ مین

ادنیٰ درجہ پر ہوں تو لوگ ایسے سیاحوں سے ضرور پوچھا کرتے ہیں کہ بھلا یہ تو بتلائے کہ فلاں شخص جو ان دنوں میں ہمارے ملک میں اُس ملک سے آیا ہوا ہے کیا یہ سچ مچ اس ملک کا بادشاہ ہے اور پھر وہ لوگ جیسا کہ واقعہ ہو بتلا دیا کرتے ہیں تو اس صورت میں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے حضرت مسیح کے ہاتھ سے مردوں کا زندہ ہونا فقط اس حالت میں قابل پذیرائی ہوتا جبکہ وہ گواہی جو ان سے پوچھی گئی ہوگی جس کا پوچھنا ایک طبعی امر ہے کوئی مفید نتیجہ بخشتی۔ لیکن اس جگہ ایسا نہیں ہے پس ناچار اسبات کے فرض کرنیسے کہ مردہ زندہ ہوئے تھے اس بات کو بھی ساتھ ہی فرض کرنا پڑتا ہے کہ اُن مردوں نے حضرت مسیح کے حق میں کوئی مفید گواہی نہیں دی ہوگی جس سے اُن کی سچائی تسلیم کیجاتی۔ بلکہ ایسی گواہی دی ہوگی جس سے اور بھی فتنہ بڑھگیا ہوگا۔ کاش اگر انسانوں کی جگہ دوسرے چارپائیوں کا زندہ کرنا بیان کیا جاتا تو اس میں بہت کچھ پردہ پوشی متصور تھی مثلاً یہ کہا جاتا کہ حضرت مسیح نے کئی ہزار بیل زندہ کئے تھے تو یہ بات بہت معقول ہوتی اور کسی کے اعتراض کیوقت جب کہ مذکورہ بالا اعتراض کیا جاتا یعنی یہ کہا جاتا کہ ان مردوں کی گواہی کا نتیجہ کیا ہوا تو ہم فی الفور کہہ سکتے ہیں کہ وہ تو بیل تھے ان کی زبان کہاں تھی جو بھلی یا بری گواہی دیتے بھلا وہ تو لاکھوں مردہ تھے جو حضرت مسیح نے زندہ کئے آج مثلاً چند ہندؤں کو بلا کر پوچھو کہ اگر تمہارے فوت شدہ باپ دادے دس بیس زندہ ہو کر دنیا میں واپس آجائیں اور گواہی دیں کہ فلاں مذہب سچا ہے تو کیا پھر بھی تم کو اس مذہب کی سچائی میں شک باقی رہ جائے گا۔ تو ہرگز نفی کا جواب نہیں دیں گے۔ پس یقیناً سمجھو کہ دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں کہ اس قدر انکشاف کے بعد پھر بھی اپنے کفر اور انکار پر اڑا رہے افسوس ہے کہ ایسی کہانیوں کی بندش میں ہمارے ملک کے سکھ خالصہ عیسائیوں سے اچھے رہے اور انہوں نے ایسی کہانیوں کے بنانے میں خوب ہوشیاری کی۔ کیونکہ وہ بیان کرتے ہیں کہ اُن کے گرو بابا نانک نے ایک دفعہ ایک ہاتھی مردہ زندہ کیا تھا۔ اب یہ اس قسم کا معجزہ ہے کہ نتائج مذکورہ کا اعتراض اُس پر وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ سکھ کہہ سکتے ہیں کہ کیا ہاتھی کی کوئی بولنے والی زبان ہے کہ تا بابا نانک کی تصدیق یا تکذیب کرتا غرض عوام تو اپنی چھوٹی سی عقل کی وجہ سے ایسے معجزات پر بہت خوش ہوتے ہیں مگر عقلمند غیر قوموں کے اعتراضوں کا نشانہ بن کر کوفتہ خاطر ہوتے ہیں اور جس مجلس میں ایسی بیہودہ کہانیاں کی جائیں وہ بہت شرمندہ ہوتے ہیں

اب چونکہ ہم کو حضرت مسیح علیہ السلام سے ایسا ہی محبت اور اخلاص کا تعلق ہے جیسا کہ عیسائیوں کو تعلق ہے بلکہ ہم کو بہت بڑھ کر تعلق ہے کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ وہ کس کی تعریف کرتے ہیں مگر ہم جانتے ہیں کہ ہم کس کی تعریف کرتے ہیں کیونکہ ہم نے اُن کو دیکھا ہے لہذا ہم اس عقیدہ کی اصل حقیقت کو کھولتے ہیں کہ جو انجیلوں میں لکھا ہے کہ صلیب کے واقعہ کے وقت تمام راستباز فوت شدہ زندہ ہو کر شہر میں آ گئے تھے۔

پس واضح ہو کہ یہ ایک کشفی امر تھا جو صلیب کے واقعہ کے بعد بعض پاک دل لوگوں نے خواب کی طرح دیکھا تھا کہ گویا مقدس مردے زندہ ہو کر شہر میں آ گئے ہیں اور لوگوں سے ملاقاتیں کرتے ہیں اور جیسا کہ خوابوں کی تعبیر خدا کی پاک کتابوں میں کی گئی ہے مثلاً جیسا کہ حضرت یوسف کی خواب کی تعبیر کی گئی ہے ایسا ہی اس خواب کی بھی ایک تعبیر تھی۔ اور وہ یہ تعبیر تھی کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا اور خدا نے اس کو صلیب کی موت سے نجات دے دی۔ اور اگر ہم سے یہ سوال کیا جائے کہ یہ تعبیر ہمیں کہاں سے معلوم ہوئی تو اسکا یہ جواب ہے کہ فن تعبیر کے اماموں نے ایسا ہی لکھا ہے اور تمام معبرین نے اپنے تجربہ سے اس پر گواہی دی ہے چنانچہ ہم قدیم زمانہ کے ایک امام فن تعبیر یعنی صاحب کتاب تعطیر الانام کی تعبیر کو اس کی اصل عبارت کے ساتھ ذیل میں لکھتے ہیں اور وہ یہ ہے۔ من رائے ان الموتی وثبوا من قبورھم ورجعوا الی دورھم فانہ یطلق من فی السجن۔ دیکھو کتاب تعطیر الانام فی تعبیر المنام مصنفہ قطب الزمان شیخ عبد الغنی النابلسی صفحہ ۲۸۹۔ ترجمہ۔ اگر کوئی یہ خواب دیکھے یا کشفی طور پر مشاہدہ کرے کہ مردے قبروں سے نکل آئے اور اپنے گھروں کی طرف رجوع کیا تو اس کی یہ تعبیر ہے کہ ایک قیدی قید سے رہائی پائے گا اور ظالموں کے ہاتھ سے اس کو مخلصی حاصل ہوگی۔ طرز بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسا قیدی ہوگا کہ ایک شان اور عظمت رکھتا ہوگا۔ اب دیکھو یہ تعبیر کیسی معقولی طور پر حضرت مسیح علیہ السلام پر صادق آتی ہے اور فی الفور سمجھ آ جاتا ہے کہ اسی اشارہ کے ظاہر کرنے کے لئے فوت شدہ راستباز زندہ ہو کر شہر میں داخل ہوتے نظر آئے کہ تا اہل فراست معلوم کریں کہ حضرت مسیح صلیبی موت سے بچائے گئے

اور منجملہ ان انجیلی شہادتوں کے جو ہم کو ملی ہیں انجیل متی کی وہ عبارت ہے جو ذیل میں لکھی جاتی ہے "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ان میں سے جو یہاں کھڑے ہیں بعضے ہیں کہ جب تک ابن آدم کو اپنی بادشاہت میں آتے دیکھ نہ لیں موت کا مزہ نہ

چکھیں گے"۔ دیکھو انجیل متی باب ۱۶ آیت ۲۸۔ ایسا ہی انجیل یوحنا کی یہ عبارت ہی یسوع نے اُسے کہا کہ اگر میں چاہوں کہ جب تک میں آؤں وہ (یعنی یوحنا حواری) یہیں ٹھہرے یعنی یروشلم میں۔ دیکھو یوحنا باب ۲۱ آیت ۲۲۔ یعنے اگر میں چاہوں تو یوحنا نہ مرے جب تک میں دوبارہ آؤں۔ ان آیات سے بکمال صفائی ثابت ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے وعدہ کیا تھا کہ بعض لوگ اسوقت زندہ رہیں گے جب تک کہ وہ پھر واپس آوے اور اُن زندہ رہنے والوں میں سے یوحنا کو بھی قرار دیا تھا۔ سو ضرور تھا کہ یہ وعدہ پورا ہوتا۔ چنانچہ عیسائیوں نے بھی اسبات کو مان لیا ہے کہ یسوع کا اس زمانہ میں جبکہ بعض اہل زمانہ زندہ ہوں پیشگوئی کے پورا کرنے کیلئے آنا نہایت ضروری تھا تا وعدہ کیموافق پیشگوئی ظہور میں آوے۔ اسی بنا پر پادری صاحبوں کو اس بات کا اقرار ہے کہ یسوع اپنے وعدہ کیموافق یروشلم کی بربادی کیوقت آیا تھا اور یوحنا نے اسکو دیکھا تھا کیونکہ وہ اسوقت تک زندہ تھا مگر یاد رہے کہ عیسائی اس بات کو نہیں مانتے کہ مسیح اسوقت حقیقی طور پر اپنے قرارداد نشانوں کیموافق آسمان سے نازل ہوا تھا بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ایک کشفی رنگ میں یوحنا کو نظر آگیا تا اپنی اس پیشگوئی کو پورا کرے جو متی باب ۱۶ آیت ۲۸ میں ہے مگر میں کہتا ہوں کہ اس قسم کے آنیسے پیشگوئی پوری نہیں ہو سکتی یہ تو نہایت ضعیف تاویل ہے۔ گویا نکتہ چینیوں سے نہایت تکلف کیساتھ پیچھا چھڑانا ہے۔ اور یہ معنے اسقدر غلط اور بدیہی البطلان ہیں کہ رد کرنیکی بھی حاجت نہیں کیونکہ اگر مسیح نے خواب یا کشف کے ذریعہ سے کسی پر ظاہر ہونا تھا تو پھر ایسی پیشگوئی گویا ایک ہنسی کی بات ہے * اسطرح تو ایک مدت اس سے پہلے حضرت مسیح پولوس پر ظاہر ہو چکے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پیشگوئی جو متی باب ۱۶ آیت ۲۸ میں ہے اسنے پادری صاحبوں کو نہایت گھبراہٹ میں ڈال رکھا ہے اور وہ اپنے عقیدہ کیموافق کوئی معقول معنے اسکے نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ کہنا انکے لئے مشکل ہے کہ مسیح یروشلم کی بربادی کیوقت اپنے جلال کیساتھ آسمان سے نازل ہوا تھا اور جسطرح آسمان پر ہر ایک چمکنے والی بجلی سبکو نظر آجاتی ہے سب نے اُسکو دیکھا تھا اور انجیل کے اس فقرہ کو بھی نظر انداز کرنا اُن کے لئے آسان نہ تھا کہ اُن میں سے جو یہاں کھڑے ہیں بعضے ہیں کہ جب تک ابن آدم کو اپنی بادشاہت

* میں نے بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ اس زمانہ کے مولوی عیسائیوں سے بھی زیادہ متی باب ۱۶ آیت ۲۸ کے پر تکلف معنے کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ جبکہ مسیح نے اپنے آنیکے لئے یہ شرط لگادی تھی کہ بعض شخص اس زمانہ کے زندہ ہونگے اور ایک حواری بھی زندہ ہوگا جب مسیح آئے گا تو اس صورت میں ضروری ہے کہ وہ حواری اب تک زندہ ہو کیونکہ مسیح ابتک نہیں آیا اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ حواری کسی پہاڑ میں پوشیدہ طور پر مسیح کے انتظار میں چھپ کر بیٹھا ہوا ہے۔ منہ

میں آتے دیکھ نہ لیں موت کا مزہ نہ چکھیں گے لہٰذا نہایت تکلف سے اس پیشگوئی کو کشفی رنگ میں مانا گیا مگر یہ نادرست ہے کشفی طور پر تو ہمیشہ خدا کے برگزیدہ بندے خاص لوگوں کو نظر آجایا کرتے ہیں۔ اور کشفی طور میں خواب کی بھی شرط نہیں بلکہ بیداری میں ہی نظر آجاتے ہیں چنانچہ میں خود اس میں صاحب تجربہ ہوں میں نے کئی دفعہ کشفی طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کو دیکھا ہے۔ اور بعض نبیوں سے بھی میں نے عین بیداری میں ملاقات کی ہے اور میں نے اپنے سید و مولیٰ اپنے امام نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کئی دفعہ عین بیداری میں دیکھا ہے اور باتیں کی ہیں اور ایسی صاف بیداری سے دیکھا ہے جس کے ساتھ خواب یا غفلت کا نام و نشان نہ تھا اور میں نے بعض اور وفات یافتہ لوگوں سے بھی اُن کی قبر پر یا اور موقعہ پر عین بیداری میں ملاقات کی ہے اور ان سے باتیں بھی کی ہیں میں خوب جانتا ہوں کہ اس طرح پر عین بیداری میں گذشتہ لوگوں کی ملاقات ہو جاتی ہے اور نہ صرف ملاقات بلکہ گفتگو ہوتی ہے اور مصافحہ بھی ہوتا ہے اور اس بیداری اور روز مرہ کی بیداری میں لوازم حواس میں کچھ بھی فرق نہیں ہوتا۔ دیکھا جاتا ہے کہ ہم اسی عالم میں ہیں اور یہی کان ہیں اور یہی آنکھیں ہیں اور یہی زبان ہے مگر غور سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عالم اور ہے اور دنیا اس قسم کی بیداری کو نہیں جانتی کیونکہ دنیا غفلت کی زندگی میں پڑی ہے یہ بیداری آسمان سے ملتی ہے یہ ان کو دی جاتی ہے جن کو نئے حواس ملتے ہیں یہ ایک صحیح بات ہے اور واقعات حقہ میں سے ہے پس اگر مسیح اسی طرح یروشلم کی بربادی کے وقت یوحنا کو نظر آیا تھا تو گو وہ بیداری میں نظر آیا ہو اور گو اس سے باتیں بھی کی ہوں اور مصافحہ کیا ہو تاہم وہ واقعہ اس پیشگوئی سے کچھ بھی تعلق نہیں رکھتا بلکہ یہ وہ امور ہیں جو ہمیشہ دنیا میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور اب بھی اگر ہم توجہ کریں تو خدا کے فضل سے مسیح کو یا اور کسی مقدس نبی کو عین بیداری میں دیکھ سکتے ہیں لیکن ایسی ملاقات سے متی باب ۱۶ آیت ۲۸ کی پیشگوئی ہرگز پوری نہیں ہو سکتی سو اصل حقیقت یہ ہے کہ چونکہ مسیح جانتا تھا کہ میں صلیب سے بچ کر دوسرے ملک میں چلا جاؤں گا اور خدا نہ مجھے ہلاک کرے گا اور نہ دنیا سے اُٹھائے گا جب تک کہ میں یہودیوں کی بربادی اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں اور جب وہ بادشاہت جو برگزیدوں کے لئے آسمان میں مقرر ہوتی ہے اپنے نتائج نہ دکھا دے میں ہرگز وفات نہیں پاؤں گا اس لئے مسیح نے

یہ پیشگوئی کی تا اپنے شاگردوں کو اطمینان دے کہ عنقریب تم میرا یہ نشان دیکھو گے کہ جنہوں نے مجھپر تلوار اُٹھائی وہ میری زندگی اور مشاہدہ مین تلواروں سے ہی قتل کئے جائینگے سو اگر ثبوت کچھ چیز ہے تو اس سے بڑھکر عیسائیوں کے لئے اور کوئی ثبوت نہین کہ مسیح اپنے منہ سے پیشگوئی کرتا ہے کہ ابھی تم مین سے بعض زندہ ہوں گے کہ میں پھر آؤنگا۔

یاد رہے کہ انجیلوں میں دو قسم کی پیشگوئیاں ہین جو حضرت مسیح کے آنے کے متعلق ہین۔ (۱) ایک وہ جو آخری زمانہ مین آنے کا وعدہ ہے وہ وعدہ روحانی طور پر ہے اور وہ آنا اسی قسم کا آنا ہے جیساکہ ایلیا نبی مسیح کے وقت دوبارہ آیا تھا سو وہ ہمارے اس زمانہ میں ایلیا کی طرح آچکا اور وہ یہی راقم ہے جو خادم نوع انسان ہے جو مسیح موعود ہوکر مسیح علیہ السلام کے نام پر آیا ہے۔ اور مسیح نے میری نسبت انجیل میں خبر دی ہے۔ سو مبارک وہ جو مسیح کی تعظیم کے لئے میرے باب میں دیانت اور انصاف سے غور کرے۔ اور ٹھوکر نہ کھاوے۔ (۲) دوسری قسم کی پیشگوئیاں جو مسیح کے دوبارہ آنے کے متعلق انجیلوں میں پائی جاتی ہین وہ درحقیقت مسیح کی اس زندگی کے ثبوت کے لئے بیان کی گئی ہین جو صلیب کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے قایم اور بحال رہی اور صلیبی موت سے خدا نے اپنے برگزیدہ کو بچا لیا جیساکہ یہ پیشگوئی جو ابھی بیان کی گئی۔ عیسائیوں کی یہ غلطی ہے کہ ان دونوں مقاموں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیتے ہین۔ اور اسی وجہ سے بڑی گھبراہٹ اور طرح طرح کے مشکلات اُن کو پیش آتے ہین۔ غرض مسیح کے صلیب سے بچ جانے کے لئے یہ آیت جو متی ۱۶ باب میں پائی جاتی ہے بڑا ثبوت ہے۔
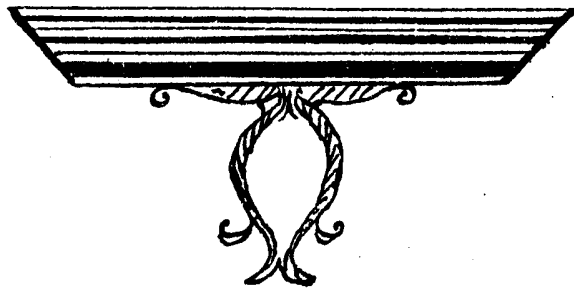
نوٹ اور ریویو

اعلیٰ طبقہ کے عیسائی محققین اور پادری - ایک لکچر کے متعلق جو ڈاکٹر راؤس نے کلکتہ میں عیسائی کانفرنس کے موقعہ پر " بائیبل کی اعلیٰ درجہ کی تحقیقات" کے مضمون پر دیا + ایک پادریوں کا میگزین ہاروسٹ فیلڈ یوں لکھتا ہے -

"ہم یقین رکھتے ہیں کہ سچائی اور ہندوستان میں کلیسیا کی بہبودی کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ بائیبل کے کلام الہیٰ ہونے کے متعلق جو اعتقاد کلیسیا کے عالم فاضل محقق رکھتے ہیں اسپر زیادہ توجہ کیجاوے - ہم خود اخبار انڈین وٹنس کی دانشمندانہ رائے سے بکلی اتفاق رکھتے ہیں جو لکھتا ہے کہ بہت مدت سے ہم اس امر کو محسوس کر رہے ہیں کہ یہ بڑی بیوقوفی ہوگی اور ہندوستانی کلیسیا اور خصوصاً ان تعلیم یافتہ نوجوانوں کے حق میں جو بکثرت آگے بڑھ رہی ہیں پرلے درجہ کی بے انصافی ہوگی کہ ان سے اس انقلاب عظیم کا علم عمداً چھپایا جاوے جو مغرب میں بائیبل کیمتعلق شروع ہو گیا ہے یہ یقینی بات ہے کہ اگر سازش کیطور پر اس معاملہ میں خاموشی اختیار کیگئی تو پھر آخرکار خود بخود طبعیتیں ایسی طور پر اس انقلاب کو قبول کرنیکے لئے تیار ہو جاوینگی کہ جسکا نتیجہ عیسائیت کے لئے بہت مضر ہوگا - کلیسیا کا ہندوستانی عہدہ دار کا بڑا حصہ بائیبل کیمتعلق ان نئے اعتقادات سے بالکل بیخبر ہے جو یورپ اور امریکہ میں کثرت سے مشنری لوگ رکھتے ہیں - جیسا کہ کانفرس کے موقعہ پر ایک لکچرار نے بیان کیا کہ بہت سارے نوجوان کلیسیا کیلئے اسوقت طیار کئے جا رہے ہیں جنکو بائیبل کیمتعلق یہ تعلیم دیجاتی ہے کہ اس کے الفاظ الہامی ہیں اور یہ غلطیوں سے بالکل پاک ہے اس قسم کی تعلیم دینا بڑی بیوقوفی کے ساتھ دشمن کیمقابل میں بازی ہار دینا ہے اور صداقت کے برخلاف یہ ایک بڑی بغاوت ہے کہ بائیبل کو غلطیوں سے پاک اور اس کے الفاظ کو خدا کا کلام کہا جائے -"

اس طرح پر بائیبل موجودہ تحقیقات کے زبردست رو کے سامنے ایک تنکے کیطرح بہ گئی ہے اور اسی قابل یہ تھی - موجودہ اعتقاد عیسائی مذہب کا اس کے متعلق یہ ہے کہ نہ تو یہ خدا کا کلام ہے اور نہ ہی غلطیوں سے پاک ہے اور ہمیں اس سے بھی خوشی ہے کہ پادری صاحبان نے بھی اس اعتقاد کی

سچائی کو تسلیم کر لیا ہے مگر یہ ابھی تک ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی کتاب کو پھر مدار نجات کیوں ٹھہرا رکھا ہے جو خود غلطیوں سے پاک نہیں وہ دوسرے کو کیونکر پاک کر سکتا ہے۔ اور خود تجربہ اسپر شاہد ہے کہ بائیبل انسانوں کو غلطیوں اور گناہوں سے پاک کرنے میں ناکام ثابت ہوئی ہے علاوہ ازیں اگر بائیبل کے بعض حصوں میں غلطیاں ہیں اور بعض میں سچائیاں۔ تو عیسائیوں کے ہاتھ میں کونسی کسوٹی ہے جس سے وہ غلطیوں کو سچائیوں سے الگ کر سکتے ہیں۔ اگر عقل کو ایسی کسوٹی مانا جائے تو پھر عیسائیوں کو صاف طور پر تسلیم کرنا چاہیئے کہ انکے مذہب کی بنا وحی الہی پر نہیں ہے بلکہ عقل پر ہے۔ لیکن اگر ایسی کسوٹی وحی الہی کے سوائے اور کوئی نہیں ہو سکتی تو یقیناً کسی سچی پاکیزہ اور قابل اعتبار وحی الہی کی جو تمام غلطیوں سے پاک ہو ضرورت ہے تاکہ وہ بائیبل کی غلطیوں کو الگ کر کے پھینکدے اور سچائیوں کو لیلے ایسی وحی الہی صرف ایک ہی کتاب میں پائی جاتی ہے کیونکہ قرآن شریف ہی صرف ایک ایسی کتاب ہے جسنے یہ دعوٰی کیا ہے کہ وہ خدا کا سچا اور خالص کلام ہے جس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہیں ہے اور ہر ایک کھوٹ سے اور باطل سے پاک ہے قرآن کریم ہی ہے جسنے سب سے پہلے دنیا پر یہ امر واضح کیا کہ بائیبل ایک محرف مبدل کتاب ہے اور اس طرح پر اپنی ضرورت کو ثابت کیا جو خالص اور سچا کلام الہی ہے۔ یہ امر بڑا خوشی دینیوالا ہے کہ بائیبل کیمتعلق جو دعوے قرآن کریم نے کیا تھا اسی کو آخر عیسائیوں نے سمجھنے کہ پادریوں نے بھی تسلیم کر لیا۔ ہاں ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ ایسی کتاب کو جو بموجب اعتقاد عیسائی صاحبان غلطیوں سے پاک نہیں دنیا میں پھیلانے کے لئے اس قدر جوش کیوں دکھایا جاتا ہے۔ کیا یہ ٹھیک ہے کہ غلطیوں کو دنیا میں پھیلا کر وہ دنیا کو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں محققین مذہب عیسائی کی رائے کو اور بائیبل کی غلطیوں کو تسلیم کر کے عیسائی مذہب ایک دم کے لئے بھی قایم نہیں رہ سکتا۔ سب سے بڑی معتبر کتاب میں جس میں بائیبل کے متعلق موجودہ خیالات اور اعتقادات کو ظاہر کیا گیا ہے یعنی انسکلوپیڈیا ببلیکا یا مخزن العلوم بائیبل جو ولایت میں عیسائیوں کے اہتمام میں چھپ رہی ہے۔ کالم ۱۸۸۱ جلد ۲ میں یہ لکھا ہے کہ تمام انجیلوں میں صرف پانچ فقرے یسوع کے متعلق ایسے ہیں جو بالکل قابل اعتبار مانے جا سکتے ہیں اور وہ پانچ فقرے حسب ذیل ہیں

اول مرقس ۱۰/۱۷ تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے نیک تو کوئی نہیں سوائے خدا کے۔ دوئم متی ۱۲/۳۱ کا بیان کہ ابن آدم کے متعلق گناہ بخشا جا سکتا ہے۔ سویم مرقس ۳/۲۱ کا

بیان کہ یسوع کے رشتہ دار اسے پاگل سمجھتے تھے چہارم مرقس ۱۳ : ۳۲ اس دن اور اس گھڑی کو کوئی نہیں جانتا (یعنی قیامت کو) نہ آسمان کے فرشتے اور نہ بیٹا ہی۔ بلکہ صرف باپ پنجم مرقس ۱۵ : ۳۴ اور متی ۲۷ : ۴۶ میرے خدا میرے خدا تونے کیوں مجھے چھوڑ دیا ہے۔ اسکے بعد پروفیسر شمیدل جو کہ زیورچ کی یونیورسٹی میں تفسیر انجیل کا پروفیسر ہے لکھتا ہے کیونکہ اس سارے مضمون کا لکھنے والا ایسی کلیسیا کا عظیم الشان عہدہ دار ہے کہ یہ فقرے "جنکو یسوع کی علمی زندگی کے بنیادی پتھر کہا جا سکتا ہے قطعی طور پر اس امر کو ثابت کرتے ہیں کہ یسوع کی ذات میں ہمارا معاملہ ایک خالص انسان کے ساتھ ہے اور یہ کہ اگر کوئی الوہیت اس میں ہے تو وہ اسی رنگ میں ہے جسمیں کہ وہ انسانوں میں پائی جاتی ہے"۔ یعنی یسوع میں کوئی نرالی الوہیت نہیں بلکہ اسی قسم کی ہے۔ جیسے دوسرے برگزیدوں میں پائی جاتی ہے ہم امید رکھتے ہیں کہ پادری صاحبان ان عظیم الشان سچائیوں کا صاف صاف اقرار کر کے مشتہر کر دینگے اور یسوع کی خدائی کے جھوٹے عقیدے پر لعنت ڈالینگے۔

روح اللہ۔ عیسائی اخبار ایپی فنی کا ایک نامہ نگار جو اپنے آپ کو ہندو ظاہر کرتا ہے ۱۸۔ اپریل ۱۹۰۳ء کے اخبار میں لکھتا ہے کہ مسلمانوں کے قرآن میں چار پیغمبروں "یعنی ابراہیم۔ موسیٰ۔ عیسیٰ اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم" کے ناموں کے بعد خاص خطاب خلیل اللہ۔ کلیم اللہ۔ روح اللہ۔ اور حبیب اللہ استعمال کئے گئے ہیں" اور ایڈیٹر اخبار مذکور بھی اس تحریر کو بغیر کسی نوٹ کے چھاپنے سے اسی کی تائید کرتا ہے۔ قرآن کریم سے ایسی جہالت اور ناواقفیت خصوصاً جبکہ ان تحریروں کو مخالفت کے رنگ میں ہزار ہا انسانوں میں شایع کیا جاتا ہے نہایت ہی قابل افسوس ہے امر واقعہ یہ ہے کہ ان کلمات میں سے کوئی کلمہ بھی نہ ان نبیوں کے نام کے بعد اور نہ ہی کسی اور نبی کے نام کے بعد استعمال کیا گیا ہے اسمیں شک نہیں کہ حضرت عیسیٰ کی پیدایش کا ذکر کرتے ہوئے قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے روح منہ فرمایا ہے مگر یہ بالکل الگ بات ہے ان الفاظ کا منشا تو صرف اس اعتراض کو دور کرنا ہے جو یسوع کی پیدایش کو ناپاک اور ناجائز قرار دیتا ہے۔ یسوع کی پیدایش کے متعلق یہودیوں کا یہ نہایت ہی ناپاک اعتراض چلا آتا تھا۔ کہ اسکی ولادت ناجائز ہے اور اسلئے قرآن شریف کیلئے ضروری تھا کہ قبل اسکو پیغمبر منوانے کے اس ناپاک اعتراض کا دفعیہ کرتا۔ ہر ایک انسان سمجھ سکتا ہے کہ جو روح ناجائز تعلق کیساتھ جو خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قانون نکاح کے خلاف ہو دنیا میں آوے اسکو استعارہ کے رنگ میں شیطانی روح کہا جائیگا۔ چنانچہ یہودی حضرت مسیح کی نسبت بعینہ یہ الفاظ استعمال کرتے تھے۔ اور اس ناپاک حملے کو دور کرنیکے لئے قرآن شریف نے یہ فرمایا کہ اسکی روح شیطانی نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ہے

یعنی پاک روح ہے۔ ناپاک روح کو دوسرے موقعہ پر قرآن شریف نے شیطانی روح ٹھیرایا ہے اس سے ظاہر ہے کہ کیوں اسی قسم کے الفاظ دوسرے انبیا کی نسبت استعمال نہیں کئے گئے۔ کسی نبی کی پیدایش کے متعلق ناجائز ولادت کی ناپاک تہمت نہیں لگائی گئی سوائے حضرت مسیح کے اور اس لئے صرف مسیح کی صورت میں ہی قرآن شریف کو یہ کہنے کی ضرورت پیش آئی کہ اس کی ولادت پاک ہے اور اس کی روح خدا کی طرف سے ہے نہ شیطانی۔ دوسرے انبیاء کی روح کو کبھی کسی نے شیطانی نہیں کہا اس لئے قرآن شریف کو ضرورت نہ تھی کہ انکی نسبت کسی ایسے اعتراض کا ذب کرنے کے لئے وہ الفاظ استعمال کرتا۔ جو حضرت مسیح کے لئے گئے۔ غرض کہ حضرت عیسیٰ کی نسبت لفظ روح منہ کے استعمال سے قرآن کریم کی غرض صرف رفع اعتراض ولادت ناجائز ہے اور کچھ نہیں۔ قرآن کریم کے الفاظ ضرورت کے مطابق نازل ہوئے ہیں اور یہ لفظ جو حضرت مسیح کی نسبت بیان فرمائے تو ضرورت یہی پیش آئی تھی کہ ان کی ولادت کو ناپاک کہا گیا تھا۔ اس اعتراض کو رفع کرکے قرآن شریف نے حضرت مسیح کی ولادت کو ایسا ہی پاک قرار دیا ہے جیسے کہ دوسرے انبیا کی ولادت اس کے نزدیک پاک ہے اسی کی تائید میں ہم یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت مریم کو قرآن شریف کا صدیقہ کہنا بھی اسی بات کیطرف اشارہ ہے۔ ایسا لفظ حضرت مریم کی نسبت استعمال کرنے سے یہ غرض نہیں کہ مریم کے سوائے کوئی عورت صدیقہ نہیں ہوئی بلکہ غرض صرف یہی ہے کہ چونکہ حضرت مریم پر زنا کی تہمت لگائی گئی تھی اس لئے اُن کی تطہیر قرآن شریف نے اس بیان سے کی ہے اور اس تہمت کو جھوٹا ٹھیرا کر حضرت مریم کو صدیقہ کے لقب سے یاد فرمایا۔ حضرت مریم کی پاکدامنی پر الزام لگایا گیا جیسا کہ اس کے بیٹے کی ولادت پر لگایا گیا تھا اس لئے قرآن شریف نے اسکا ذب کردیا ایسا ہی اس حدیث کا منشا ہے جسمیں لکھا ہے کہ مریم اور اسکا بیٹا مس شیطان سے پاک ہیں کیونکہ یہودی ماں اور بیٹے دونوں کیطرف شیطانی کام اور شیطانی صفات بہ سبب عداوت کے منسوب کرتے تھے اس لئے ضروری تھا کہ نبی علیہ السلام دونو برگزیدوں کو مس شیطان سے یعنی شیطانی تعلقات سے پاک بیان فرماتے اس حدیث کا منشا بھی صرف رفع اعتراض ہی ہے ورنہ گناہ کرنے یا نہ کرنے سے اسکو کوئی تعلق نہیں ہے۔

گذشتہ دس سال میں مسلمانوں کی ہند میں ترقی

۱۹۱۱ء کی مردم شماری سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجودیکہ مسلمانوں کے پاس مذہب کے پھیلانے کے ذرایع بہت ہی کم ہیں پھر بھی جو ترقی ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد میں ہوئی ہے وہ ان سب ترقیوں کے مجموعہ سے بہت بڑھکر ہے جو دیگر تمام مذاہب میں ہوئی ہیں مفصلہ ذیل اعداد اُسکی تفصیل کرتے ہیں۔ ۱۸۹۱ء سے لیکر ۱۹۰۱ء تک ہندوؤں کی تعداد میں پانچ لاکھ پچاسی ہزار کی کمی ہوئی ہے عیسائیوں

کی تعداد میں چھ لاکھ انتالیس ہزار کی زیادتی ہوئی۔ بدھ مذہب والوں کی تعداد میں تئیس لاکھ بینتالیس ہزار کی زیادتی ہوئی ہے۔ اور سکھوں کی تعداد میں ایک لاکھ نناسی ہزار چار سو کی ترقی ہوئی ہے اس طرح پر ان تمام مذاہب میں جو زیادتیاں ہوئی ہیں ان کو اگر جمع کیا جاوے تو دس سال میں تمام مذاہب کی ترقی ملک ہندوستان میں بحیثیت مجموعی پچیس لاکھ چھیاسی ہزار چار سو ہوتی ہے جس میں سے مسلمان صرف الگ ہیں اسی عرصہ میں مسلمانوں کی ترقی پچاس لاکھ سے بھی زیادہ ہوئی ہے جو دیگر تمام مذاہب کے مجموعہ ترقی سے دوگنی ہے یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے کہ ہندوستان کی کل آبادی جو انتیس کروڑ چالیس لاکھ کے قریب ہے اس میں مسلمان صرف چھ کروڑ ساڑھے باراں لاکھ ہیں یعنی کل مردم شماری میں صرف اکیس فیصدی کے قریب۔ یہ حیرت انگیز ترقی مذہب اسلام کی ملک ہند میں بمقابلہ طرح طرح کی رکاوٹوں اور کم سامانیوں کے صرف اس کے اصول کی سادگی اور کشش کے باعث ہے تاہم یہ افسوس کا مقام ہے کہ چھ لاکھ انتالیس ہزار کی ترقی کا جو مذہب عیسائی میں ہوئی ہے کثیر حصہ دوسرے مذاہب سے لیا گیا ہے اور ان میں بہت سے ایسے ہونگے جو اسلام کو چھوڑ کر نصرانیت کیطرف گئے ہیں۔ یہ نتیجہ سچے اصول میں ان اصولوں کے ملا لینے کا ہے جو عیسائیت کے جھوٹے اعتقاد سے جاہل انسانوں کو فریب کر دیتے ہیں کیا یہ سچ نہیں کہ جس زمانہ میں خالص اور سچے اصول مذہب اسلام کے تھے تو لکھوکھا عیسائی اپنے مذہب کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوتے تھے حالانکہ برعکس اس کے اب یہ حالت ہے کہ مسلمان اپنے سچے مذہب کو چھوڑ کر عیسائیت کے بطلان کیطرف جاتے ہیں

حضرت مسیح کی قبر

جناب ایڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ از راہ مہربانی میری اس چٹھی کو اپنے رسالے میں جگہ دیکر ممنون فرما دیں۔

کلکتہ کے عیسائی اخبار ایپی فینی مورخہ ۱۱۔ اپریل ۱۹۰۳ء میں ایک گمنام چٹھی چھپی ہے جس میں یہ کوشش کیگئی ہے کہ جو امور حضرت میرزا غلام احمد صاحب نے سرینگر کی قبر کی نسبت شائع کئے ہیں ان کی تردید کیجائے اس چٹھی کے لکھنے والا اکثر امور کو جو میرزا صاحب نے شائع کئے ہیں قبول کرتا ہے اور جہاں وہ حضرت میرزا صاحب سے اختلاف کرتا ہے۔ وہاں

وہ اپنے اختلاف کے لئے کوئی دلیل پیش نہیں کرتا۔ وہ مانتا ہے کہ یہ قبر نبی یوز آسف کی قبر کے نام سے مشہور ہے۔ اس بات کو مانکر پھر بھی وہ یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ یوز آسف کوئی اسلامی ولی تھا جسکو مرے دوسو برس سے زیادہ نہیں ہوئے۔ اسکا یہ نتیجہ صرف طرز عمارت پر مبنی ہے۔ وہ لکھتا ہے "اس قبر کے مسالح اور طرز تعمیر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ عمارت دوسو برس کی ہوگی۔ بلکہ اغلب تو یہ ہے کہ اس سے بھی بہت پیچھے کی ہے" اگر ہم مان بھی لیں۔ کہ یہ عمارت دوسو برس سے زیادہ کی نہیں ہے۔ تو کیا اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ کہ یوز آسف کو گذرے صرف دوسو برس ہوئے ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتا۔ کہ قدیمی عمارتوں کی اکثر مرمت کیجاتی ہے اور جب ایک پورانا مکان زمانی کے ہاتھوں سے تباہ ہوجاتا ہے تو اس کی بجائے نئی عمارتیں بنانی پڑتی ہیں۔ صرف یہی امر کہ کشمیر کے مسلمانوں میں یہ شخص نبی کے نام سے مشہور ہے۔ اس خیال کی تردید کیلئے کافی ہے کہ وہ ایک اسلام کا ولی تھا۔ کوئی سمجھدار آدمی یہ خیال نہیں کرے گا۔ کہ جو شخص مسلمانوں میں نبی کے نام سے مشہور ہے وہ ایک مسلمانوں کا ولی تھا۔ اگر ایک مسلمان ولی معجزات بھی دکھائے مسلمان اس کو کبھی نبی کا خطاب نہیں دینگے۔ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور ان کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ اس لئے یوز آسف کا کشمیر کے مسلمانوں میں نبی کے نام سے مشہور ہونا صاف طور پر ظاہر کرتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ وسلم کے زمانے سے پہلے کا ہے اور جو شخص اس کو ایک مسلمان ولی سمجھتا ہے۔ وہ عام مسلمانوں کے مشہور اعتقادات سے اپنی جہالت کا ثبوت دیتا ہے۔ اس نامہ نگار کی تردید کیلئے خود اس کی چٹھی کی شہادت کافی ہے۔

اوّل۔ وہ بیان کرتا ہے۔ کہ اس مقام کے لوگ یوز آسف کو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا میں سے سمجھتے ہیں۔ یہ شہادت ظاہر کرتی ہے کہ یوز آسف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ یہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا جن میں یوز آسف کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ یہ سب ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے گذرے ہیں۔ اور کوئی بھی بعد کا نہیں ہے۔

دوم۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ یوز آسف کا نبی کے نام مشہور ہونا ظاہر کرتا ہے کہ وہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے گذرا ہے۔ ہم کسی ایسے کشمیری نبی کو نہیں جانتے۔ جو دوسو سال کے اندر گذرا ہو۔

سوم۔ یہ نامہ نگار ہمیں خبر دیتا ہے کہ یہ قبر یوز آسف کے مقبرے کے نام سے مشہور ہے یہ شہادت بھی ظاہر کرتی ہے کہ یہ ایک قدیم زمانے کا نبی ہے۔ یہی یوز آسف ہے جو یورپ میں سینٹ جوآزف یا سینٹ جوزافٹ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے متعلق ایک قصہ بھی بنا ہوا ہے۔ سینٹ جوآزف کا قصہ یورپ کو پہلے پہل سینٹ جوہن دمشقی کی ایک یونانی کتاب کے ذریعہ سے پہنچا۔ جو آٹھویں صدی میں لکھی گئی۔ اس قصہ کے اس سے بھی پیشتر کے نسخے ہیں۔ اور یہ بات بڑی قوی ہے۔ کہ یوز آسف پہلی صدی عیسوی میں گذرا ہے یوز آسف کو عیسائیوں نے اپنا ایک ولی مقرر کیا۔ اور اس کے نام کا ایک گرجا شہر پلرمو جزیرہ سسلی میں اب تک موجود ہے۔ اس کے ولی مقرر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کی تعلیم اور مثالیں مسیح کی تعلیم اور مثالوں سے نہایت ہی مشابہ تھیں۔ اور بعض تو بعینہ وہی تھیں۔ اس لئے غلطی سے اس کو مسیح کا شاگرد سمجھا گیا۔ یوز آسف کے قصے کے بعض نسخے بصراحت بیان کرتے ہیں کہ وہ کشمیر میں فوت ہوا۔ یوز آسف کے قصوں میں ممکن ہے کہ بہت سا جھوٹ ملا ہوا ہو مگر ان سے اتنی بات یقیناً ثابت ہوتی ہے کہ یوز آسف کوئی حال کا اسلامی ولی نہیں ہے۔

یہ بے نام نامہ نگار حضرت میرزا صاحب کو بڑی جرأت سے بناوٹ اور جعل کا الزام لگاتا ہے۔ حضرت میرزا صاحب نے اس قبر کی نسبت بعض ایسے امور شائع کئے جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ شخص مسیح ابن مریم تھا جو کشمیر میں آکر فوت ہوا۔ ان کی بعض باتیں تو یہ نامہ نگار مانتا ہے۔ مگر باقی کو یہ محض جھوٹ قرار دیتا ہے۔ یہ شخص بظاہر ایک دیسی عیسائی ہے جو پنجاب کا رہنے والا ہے۔ اس نے بہت ہی ناقص اور ناسکمل تحقیقات کی ہے۔ خود اس کی چٹھی سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس کی تحقیقات صرف چند ایک آدمیوں تک محدود رہی۔ جو اتفاقاً قبر کے پاس اس وقت موجود تھے۔ اگر یہ حضرت میرزا صاحب کے بیانات کی تردید کرنا چاہتا تھا۔ جو آپ نے بڑی شجاعت کے ساتھ دنیا میں بھی شائع کئے ہیں تو اس کو چاہیے تھا کہ اپنی تحقیقات کے دائرہ کو بہت وسیع کرتا۔ اور اس اہم کام کے لئے بہت سا وقت خرچ کرتا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس دیسی عیسائی نے عمداً اپنی تحقیقات کو وسیع نہیں کیا تا ایسا نہ ہو کہ

سچ کھلجاتے۔ اس نے چند مبہم جوابات پر قناعت کر لی۔ جو اُسکو اُن لوگوں سے ملے جو اتفاقاً وہاں موجود تھے اگر وہ اپنی تحقیقات کے دائرہ کو وسیع کرتا۔ تو یقیناً اسکو کئی ایسے آدمی ملتے جو اسکو وہ تمام باتیں بتلاتے۔ جو حضرت مرزا صاحب کی تحریروں میں پائی جاتی ہیں۔

اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت مرزا صاحب کا اعلان ایسی نکمی تحقیقات پر مبنی نہیں ہے۔ جیسا کہ اس نے سری نگر میں جاکر کی ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے صرف اسی غرض کے واسطے چند آدمی کشمیر بھیجے۔ یہ لوگ اچھے تعلیم یافتہ اور کشمیری زبان سے خوب واقف تھے انھوں نے ایک لمبے عرصہ تک وہاں رہ کر بڑے اطمینان کے ساتھ تحقیقات کی۔ ناخواندہ لوگوں کی بے شمار زبانی شہادتوں کے علاوہ انھوں نے پانسو آدمیوں کے تحریری بیانات اور دستخط حاصل کئے جنھوں نے ان تمام امور کی شہادت دی۔ جو حضرت مرزا صاحب نے بعد میں عام لوگوں کی واقفیت کے لئے شائع کئے۔ حضرت مرزا صاحب کی اس کامل تحقیقات کے مقابل میں ایک ایسے دیسی عیسائی کی سرسری اور متعصبانہ تحقیقات کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ جس میں اتنی بھی جرأت نہیں کہ اپنے نام کو ہی ظاہر کرے +

سچ تو یہ ہے۔ کہ جتنے امور اس بے نام نامہ نگار نے واقعی طور پر تحقیقات کئے ہیں۔ وہ حضرت مرزا صاحب کے بیانات کے بالکل مطابق ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے اس عیسائی نامہ نگار کی نسبت زیادہ امور دریافت کئے ہیں۔ اور زیادہ محنت اٹھائی ہے۔ اس گمنام شخص کی یہ حرکت بہت ہی قابل نفرین ہے۔ کہ اس نے حضرت مرزا صاحب کو جعل اور بناوٹ کا الزام لگایا ہے۔ جن لوگوں سے اس نے دریافت کیا۔ اُنہوں نے صاف شہادت دی کہ یہ یوز آسف کی قبر ہے۔ پھر بھی یہ شخص ایسا نادان ہے کہ حضرت مرزا صاحب کو جعل کا الزام لگاتا ہے۔ اس نے کسی کو ان امور کا انکار کرتے ہوئے نہیں سُنا۔ جو حضرت مرزا صاحب نے اس قبر کے متعلق شائع کئے ہیں۔ اور اگر وہ اُن سے بالصراحت سوال کرتا۔ تو ممکن تھا۔ کہ وہی لوگ حضرت مرزا صاحب کے

بیانات کی تصدیق کرتے۔ اگر یہ انھون نے بالصراحت بیان نہیں کیا۔ کہ یوز آسف ایک شہزادہ تھا۔ جو انیس سو برس ہوئے ایک غیر ملک سے یہان آیا تھا۔ مگر ان کے بیانات میں کافی شہادت ہے۔ جس سے ان سب امور کی تصدیق ہوتی ہے۔ مثلاً خود یوز آسف کا نام اس بات کی شہادت ہے کہ وہ شہزادہ تھا۔ یہ نام بہت سی پُرانی کتابوں اور تاریخوں میں مذکور ہے۔ جس میں اسکو بلا اختلاف شہزادہ بیان کیا گیا ہے۔ اسکا غیر ملک سے آنا بھی بدلائل ذیل واضح ہے۔

اوّل۔ یوز آسف ایک ہندی نام نہیں ہے اس لئے جس شخص کا نام ہے وہ ضرور کسی غیر ملک کا باشندہ ہوگا۔

دوم۔ لفظ نبی بھی ظاہر کرتا ہے کہ وہ ہندوستان کا باشندہ نہیں کیونکہ اس صورت مین وہ اوتار یا بُدھ کے نام سے مشہور ہونا چاہیے تھا۔ لفظ نبی سے اس کا اسرائیلی نبی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ نام کسی اور قوم کے بزرگوں پر اطلاق نہیں پاتا۔

اِن باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نامہ نگار کی چِٹھی میں کوئی ایسی بات نہیں جو کہ مرزا صاحب کے بیانات کے مخالف ہو۔ بلکہ اس کی چِٹھی حضرت مرزا صاحب کی رائے کی تائید کرتی ہے۔ اور اس لئے اُس نے نہایت ہی بُری حرکت کی ہے کہ میرزا صاحب کو جھوٹا الزام لگایا ہے۔ وہ اپنی چِٹھی کے عنوان پر لکھتا ہے یوز آسف کی قبر کی اصلیت۔ مگر ہم تعجب سے دیکھتے ہیں کہ اس چِٹھی میں کوئی بھی نئی بات نہیں اُس کی یہ رائے یوز آسف ایک اسلامی ولی تھا۔ جس کو گذرے ہوئے دو سو برس بھی نہیں ہوئے۔ یہ اس کی ایک ذاتی رائے ہے جس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ جو واقعات وہ پیش کرتا ہے وہ میرزا صاحب کی رائے کی تائید کرتے ہیں +

حضرت میرزا صاحب نے اپنے اشتہار میں ایک کتبے کا بھی ذکر کیا ہے یہ شخص اس کے وجود سے ہی انکار کرتا ہے۔ اور بیان کرتا ہے کہ یہ میرزا صاحب کی اپنی ایجاد ہے۔ اس بیچارے نے سری نگر جانے میں بے فائدہ تکلیف اٹھائی اور وہ پوری تحقیقات کرتا تو کبھی ایسی بیہودگی کا مرتکب نہ ہوتا۔ اس کو معلوم

ہونا چاہیئے کہ یہہ کتبہ مسیح کی قبر سے ایک میل کے فاصلہ پر کوہ سلیمان کی چوٹی پر ایک قلعہ کے اندر پڑا ہے۔

وہ بیان کرتا ہے کہ یہ قبر عام طور پر زنگا صاحب کے نام سے مشہور ہے مگر سری انگر میں کوئی قبر اس نام کی موجود نہیں معلوم ہوتا ہے کہ چھپنے میں غلطی ہوئی ہے روضہ کی جگہ رنگہ لکھا گیا (کیونکہ انگریزی حروف میں یہ دونوں لفظ بہت مشابہ ہیں) اس قبر کا نام روضہ بل مشہور ہے۔ روضہ کا لفظ عام طور پر قبروں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ بل کشمیری میں اجتماع کی جگہ کو کہتے ہیں اور بھی بہت سے مقامات ہیں جن میں بل کا لفظ آتا ہے مثلاً یاربل۔ تاربل۔ جھابل۔

یہ نامہ نگار بڑی سادگی سے بیان کرتا ہے کہ مسیح کی موت صلیب پر ایک تاریخی واقعہ ہے۔ اگر مسیح علیہ السلام صلیب پر مر گئے تھے تو جب آپکے پہلو کو برچھی سے چھیدا گیا تو کیوں خون نکل آیا۔ صلیب پر صرف تین گھنٹے لٹکنا موت کا باعث نہیں ہوسکتا تھا۔ جو دو آدمی حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ صلیب پر چڑھائے گئے تھے وہ بالکل زندہ اور پورے ہوش و حواس کے ساتھ اُترے۔ حضرت مسیح علیہ السلام قبر سے نکلے۔ قریباً ایک سو میل کا سفر پیادہ پا کیا۔ لوگوں کی اُنگلیاں میخوں کے زخموں میں ڈلوا کر اپنے خاکی جسم کا ثبوت دیا۔ حواریوں کے ساتھ ملکر کھایا اور پیا۔ اور مرہم حوارین کے استعمال سے اپنے صلیبی زخموں کا علاج کیا۔ اور اس طرح اپنی اس پیشگوئی کو پورا کیا کہ بجز یونس ؑ نبی کے معجزہ کے سوائے اور کوئی معجزہ نہیں دکھاؤں گا۔ جس طرح یونس ؑ زندہ ہی مچھلی کے پیٹ میں داخل ہوئے اور زندہ ہی نکلے۔ ایسا ہی حضرت مسیح علیہ السلام زندہ قبر میں داخل ہوئے اور زندہ نکلے۔ مگر باوجود اتنی شہادتوں کے یہ سادہ لوح عیسائی کہتا ہے کہ مسیح ؑ کی موت صلیب پر ایک تاریخی واقعہ ہے۔

یہ شخص مرہم حوارین کا بڑی حقارت کے ساتھ ذکر کرتا ہے۔ یہہ مرہم جسکو مرہم عیسیٰ اور مرہم رسل بھی کہتے ہیں۔ کوئی ایسی چیز نہیں جسکا نام آج سنا گیا ہو بلکہ کثیر التعداد قدیمی طبی کتابوں میں مذکور ہے جن میں بالاتفاق بیان

کیا گیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں نے آپ کے زخموں کے لئے تیار کی تھی۔ اور ایسی کتابوں کی تعداد ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں تک پہونچی ہوئی ہے صرف تمسخر اور استہزا سے وہ ان طبی کتابوں کی متفق علیہ شہادت کو رد نہیں کر سکتا۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام کے زخم مرہم حوارین کے استعمال سے اچھے ہو گئے تو آپ نے افغانستان اور کشمیر کی طرف رُخ کیا تا بنی اسرائیل کے دس فرقے جو جلاوطن ہو کر ان ملکوں میں آباد ہو گئے تھے آپکی رسالت سے محروم نہ رہیں۔ آخر وفات پائی اور سری نگر کے محلہ خان یار میں آپ مدفون ہوئے۔

جب میں یہ چٹھی لکھ چکا تو اس گمنام نامہ نگار کی بدقسمتی سے مجھے الضلال کا اپریل کا پرچہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ ایک عیسائی پرچہ ہے جو بیروت ملک شام سے نکلتا ہے۔ اس کا ایڈیٹر کشمیر کا ذکر کرتے ہوئے یوز آسف کی قبر کی نسبت یوں لکھتا ہے۔ وفی حارۃ تسمی الخانہ یار فی ھذہ المدینۃ قبر یسمیہ القشامرۃ قبر النبی یوزاسف یزورہ العوام والخواص وفی بعض کتب التاریخ عندھم ان یوزاسف ھذا کان نبیا من الانبیاء جاء من اقصی البلاد فمات ودفن فی ھذہ المدینۃ فزعم رجل فنجابی ان ھذا النبی ھو المسیح۔ یعنے اس شہر (سری نگر) کے محلہ خانہ یار میں ایک قبر ہے جس کو کشمیر کے لوگ نبی یوز آسف کی قبر کہتے ہیں۔ عوام اور خواص اس قبر کی زیارت کرنے کیلئے آتے ہیں۔ اور بعض کشمیر کی تاریخی کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ یہ یوز آسف ایک نبی تھا جو دور و دراز ملک سے آیا۔ یہاں وفات پائی اور اس شہر میں مدفون ہوا۔ اس لئے ایک پنجابی آدمی نے یہ خیال کیا ہے کہ یہ نبی مسیح ہی تھا۔

ایک فاضل عیسائی ایڈیٹر کی یہ شہادت ہمارے عیسائی

نامہ نگار کی چٹھی کی تردید کے لئے کافی ہے۔

شیر علی۔ یکم مئی سنہ ۱۹۰۳ء۔

از قادیان دارالامان۔